اسلام کا معاشی نظام

از علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری

اسلام کا معاشی نظام

از افادات

علامہ مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری
مرحوم

ناشر:- الجواد بکڈپو بنارس

مطبوعہ علمی الیکٹرک مشین پریس (فون نمبر ۵۵۹) قلیاحالہ بنارس

ملنے کا پتہ

الجواد بکڈپو۔ جوادیہ کالج۔ بنارس نمبر ۳

قیمت صرف عہ

پیش لفظ

علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ مرحوم زنگی پوری کے "قلم تحقیق" کا اعتراف ہر صاحب بصیرت کر چکا ہے۔ زیر نظر رسالہ مرحوم کی وہ مایۂ ناز تالیف ہے کہ بلا مبالغہ یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ ملت جعفریہ ہی یہ "معاشی دستور" کسی زبان میں یکجا موجود نہ تھا۔ بلکہ عام ملت اسلامیہ نے بھی ایسا تحقیقی دستور اب تک پیش نہیں کیا ہے۔ یہ نادر رسالہ الجواد میں قسط وار پیش کیا جا چکا ہے لیکن مومنین کے اصرار بلیغ کا احترام کرتے ہوئے اسے اب کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دور حاضر میں اس رسالے کی افادی حیثیت کا تقاضا ہے کہ کمیونزم کے رُجحان سے بچنے اور بچانے کے لئے اس کا ضرور مطالعہ کیا جائے۔ اور یہ معلوم کیا جائے کہ "اسلام کا معاشی نظام" خود ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کمیونزم ایک غیر مکمل اور وقتی چیز ہے۔ والسلام

مدیر
شعبۂ نشر حقائق و معارف جامعہ جوادیہ بنارس
یکم ذالقعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

3

۷۸۶

اسلام کا معاشی نظام

مشیت خداوندی نے مطلع نیر اسلام بنانے کے لئے ایک ایسے خطۂ دنیا کو منتخب فرمایا جس کے ساکنین خیر دنیا و آخرت دونوں سے بیگانہ تھے۔ ظلمت کفر و جاہلیت کی طرح ضیق معاش۔ فلاکت و افلاس کی مصیبتیں بھی اُن پر سایہ فگن تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوم عرب کا حال نہ صرف مذہبی و تمدنی اعتبار سے تمام اقوام عالم سے بدتر تھا بلکہ افلاس و مسکینیت اور معاشی مشکلات و شدائد کے لحاظ سے بھی اوس کی حالت حد سے سوا خراب تھی۔ اوس کی وحشیانہ و جاہلانہ زندگی نے معیشت کے وسائل کو بھی اُس کے لئے تنگ کر دیا تھا۔ کسب معاش کے طریقوں میں بھی جاہلیت کے آثار نمایاں تھے فتنہ و فساد، ظلم و جور، قتل و غارت اُس کا مرغوب پیشہ تھا۔ رہزنی، خیانت قمار بازی، کا عام رواج تھا، ایسی بدکرداریاں جن کے تذکرے سے انسانیت کو شرم آتی ہے اوس کے لئے قابل فخر ذرایع معیشت تھے قتل اولاد کا عام رواج تھا۔ غربا فقیری و بے مائگی کے خوف سے، اور اہل دولت و ثروت اپنی فرضی شرافت کے فخر و غرور کا سر اونچا رکھنے کے لئے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ فاقہ کش عوام اون بد اخلاقیوں

میں گرفتار تھے۔ جو خاصہ فقر و افلاس ہوا کرتی ہیں۔ اور طبقہ خواص میں وہ بری خصلتیں اور بدکرداریاں عام تھیں جن کو سرمایہ دارانہ ذہنیت اپنے ساتھ لایا کرتی ہے۔ عہد ظہور اسلام میں قوم عرب کے حال خراب کی بھیانک تصویریں نمائندگان اسلام نے اپنے کلاموں میں کھینچی ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں حضرت جعفر طیارؑ کی وہ تقریر دلپذیر منقول ہے جو آپ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی۔ اس کے چند فقرے یہ ہیں

قبل ظہور اسلام عرب کی دینی و معاشی ابتری۔ اور اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ۔ حضرت جعفر طیار کی تقریر :۔

ایها الملک کنا قوماً اهل جاهلیة نعبد الاصنام و ناکل المیتة و ناتی الفواحش و نسیئ الجوار و یاکل القوی الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث الله الینا رسولاً منا نعرف نسبه و صدقه و امانته و عفافه فدعانا الی الله لنوحده و نعبده و نخلع ما کنا نعبد نحن و اباؤنا من دونه من الحجارة و الاوثان

اے بادشاہ! ہم ایک مبتلائے جاہلیت قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ برے افعال کیا کرتے تھے۔ ہمسایہ سے بدسلوکی ہمارا کام تھا۔ قوت والے کمزوروں کو کھائے جاتے تھے۔ اسی حال میں خدا نے ہم میں اپنا ایک پیغمبر ہم ہی میں سے مبعوث کیا جس کا نسب جس کی سچائی امانتداری۔ پرہیزگاری کی خصلتوں کو ہم خوب جانتے تھے۔ اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا۔ کہ اس کی یکتائی کے

وامرنا ان نعبد الله وحده ولا
نشرک به شیئاً وامرنا بالصلوٰۃ
والزکوٰۃ والصیام فعدد علیه
امور الاسلام ثم قال وامرنا
بصدق الحدیث واداء الامانۃ
وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف
عن المحارم والدماء ونهانا
عن الفواحش وقول الزور واکل
مال الیتیم وقذف المحصنات
فصدقناه واتبعناه علی ما جائه
من الله۔

قائل ہوں۔ اوسکی پرستش کریں۔ اور
جن پتھر کے بتوں کو ہم اور ہمارے باپ
دادا پوجا کرتے تھے اُن کو چھوڑ دیں۔
اور ہمکو یہ حکم دیا کہ فقط خدائے یکتا
کی بندگی کریں۔ اوس کا شریک کسی کو
قرار نہ دیں۔ اور انھوں نے ہمیں نماز۔
زکوٰۃ۔ روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفرؑ
نے تمام امور اسلام کو شمار کرکے فرمایا
کہ انھوں نے ہم کو راست گفتاری۔
امانتداری۔ صلۂ رحمی۔ ہمسایوں کے
ساتھ حسن سلوک مال حرام اور خون ناحق
سے بچنے کا حکم دیا۔ اور ہمکو بدکاریوں لغو باتوں۔ مال یتیم کھانے اور
پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگانے سے منع کیا۔ تو ہم نے
اون کی تصدیق کی۔ اور اون تمام باتوں میں جو وہ خدا کی جانب
سے لائے تھے اُن کے پیرو بن گئے۔"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا بیان

یہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے
عرب کی حالت قبل اسلام کی تصویر
کھینچتے ہوئے فرمایا ہے:۔

والناس فی فتن انجذم فیها حبل

(جس وقت پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے)

الدین و تزعزعت سواری	اس وقت دنیا کا یہ حال تھا کہ لوگ ہر طرف
الیقین واختلف النجر و تشتت	فتنہ و فساد میں مشغول تھے۔ دین و شریعت
الامر وضاق المخرج وعمی المصدر	کی رسی ٹوٹ گئی تھی۔ یقین کے ستونوں
فالھدی خامل والعمی شامل عصی	میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا۔ اصل (دنیا)
الرحمان ونصر الشیطان	کے اختلافات پھیلے ہوئے تھے۔ امور
فھم فیھا تائھون حائرون	دنیا و دین سب بالکل پراگندہ ہو رہے
جاھلون مفتونون فی خیر دار	تھے۔ نجات کے طریقے تنگ اور رہائی
وشر جیران نومھم سھود و	کے راستے بے نشان ہو چکے تھے۔ ہدایت
کحلھم دموع۔	روپوش اور جہالت شامل حال عامہ

خلائق ہو رہی تھی۔ خدا کی نافرمانی کا دور تھا۔ شیطان کی نصرت بدل و جان کی جاتی تھی۔ ....

....

لوگ فتنوں میں سرگرداں و پریشان تھے۔ حیرت امتیاز حق و باطل سے مانع تھی۔ اپنے نفع و ضرر کا علم مفقود تھا وہ اچھے وطن (مکہ) میں تو تھے مگر بدترین ہمسایوں میں۔ تھے بے خوابی ان کے لئے نیند تھی اور آنسو اُن کی آنکھوں کے لئے سرمہ تھے"

نیز حضرت کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ بعث محمداً صلعم نذیراً	"خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام
للعالمین و امینا علی التنزیل وانتم	عالموں کے لئے ڈرانے والا اور اپنے
معشر العرب علی شر دین وفی	نازل کئے ہوئے احکام کا امانتدار بنا کر

شر دار منیخون بین حجارۃ خشن وحیات صم تشربون الکدر و تاکلون الجشب وتسفکون دمائکم وتقطعون ارحامکم الاصنام فیکم منصوبۃ والآثام بکم معصوبۃ۔

بھیجا اے گروہ عرب اوس زمانہ میں تمہارا حال یہ تھا کہ بدترین دین کے پیرو تھے اور بدترین گھروں میں رہتے تھے تمہاری سکونت سخت پتھروں اور ایسے زہریلے سانپوں کے درمیان تھی جن کے کاٹے کی دوا نہ تھی۔ کیچڑ سے بھرا پانی پیتے تھے۔ اور ناخوشگوار بے مزہ چیزیں تمہاری غذا تھیں۔ آپس میں ایک دوسرے کا ناحق خون بہا رہے تھے۔ قطع رحم (اپنوں سے بدسلوکی) تمہارا طریقۂ زندگی تھا۔ بت تمہارے درمیان پرستش کے لئے نصب تھے اور گنہگاریاں تمہارے دم سے وابستہ تھیں!!

اسلام ایک قابل عمل نظام ہے جو عملی دنیا میں کامیاب ہو چکا ہے

ان اقوال میں عرب جاہلیت کی مذہبی تمدنی، اخلاقی، معاشی، غرض ہر طرح کی پستی و بدحالی کا جو تاریک مرقع ہمارے سامنے دیا گیا ہے اگر اس کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ پر فکر و غور کیا جائے کہ فقط چند ماہ و سال کے عرصہ قلیل میں اسلامی برکات نے عرب کے مذہبی و اخلاقی۔ دنیوی۔ و معاشی معیار کو کس سرعت کے ساتھ ارتقا دے کے بلند ترین مدارج پر پہونچا دیا۔ انقلاب ذہنیت کے ساتھ ان کے اخلاق و کردار کی دنیا کس طرح منقلب کر دی، ان کے دین کے ساتھ ان کی معیشت دنیوی کا عنوان بھی کس طرح بدل ڈالا، تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تعلیمات اسلام کا یہ انقلابی کارنامہ

اگر معجزہ نہیں تو تاریخ عالم کا محیر العقول اور بے مثال کارنامہ ضرور ہے جس سے
یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام دین و دنیا معاد و معاش دونوں کا ایک مکمل قابل
عمل اور کامیاب نظام ہے۔ فلسفی نظریئے کے حدود سے نکل کر تجربہ و عمل کی دنیا میں
بھی اپنی کامیابی کا سکہ بٹھا چکا ہے۔ قوم عرب نہایت درشت مزاج و جاہل طبیعت
قوم تھی۔ اثر پذیری و اطاعت گذاری کو اس کی جاہلیت نواز خصوصیات سے کوئی
ربط نہ تھا۔ اس کی دنیا و دین کو دیکھتے دیکھتے بدل دینا ایسے ہی نظام کا اثر ہو
سکتا ہے۔ جو انسانی فطرت کے مناسب نظری و عملی دونوں پہلوؤں سے ہر طرح
مکمل اور قابل عمل ہو۔ اور اس نظام کا چلانے والا مجسمۂ عمل ہو۔ اور اپنی عملی طاقتوں
کا کامل ترین اسوۂ حسنہ دنیا کے سامنے لا رہا ہو۔

اعجازی شان سے چند دنوں میں عرب جیسی بگڑی ہوئی قوم کو سدھارنا
اور اس کی مذہبی و معاشی دینی و دنیوی زندگی کی سطح کو بلند ترین مرتبہ پر پہنچا
دینا اس بات کا شاہد ہے کہ یہ نظام جس قدر نظری اعتبار سے کامل ہے اسی قدر
وہ قابل عمل بھی ہے۔ اگر دنیا میں اس کو نوع انسانی کی اصلاح کا ویسا ہی موقع
اور بھی ملتا جیسا چند روز کے لئے حاصل ہو گیا تھا تو آج دنیا کی حالت کچھ اور
ہوتی۔ یہ واقعہ نہایت الم انگیز ہے کہ اسلامی نظام کے رواج پذیری کی مدت بہت
تھوڑی رہی۔ دنیا میں مسلمانوں کی حکومتیں تو باقی رہیں اور آج بھی ہیں۔ مگر
ممالک غیر کا تذکرہ نہیں خود اسلامی ملکوں میں بھی نظام اسلامی کا اثر اہل اسلام
کی روزمرہ کی زندگی میں باقی نہ رہ گیا۔ بہت جلد مسلمانوں نے انھیں نظریات
واطوار زندگی کو اختیار کر لیا جن کو نظام اسلامی مٹا دینا چاہتا تھا۔ قرآنی تعلیمات

کا قالب تو رہ گیا مگر روح جاتی رہی ۔ اسلامی علوم نظری فلسفہ کی حیثیت سے اوس کا درس تو لیتے رہے مگر اس کا عملی سبق بھول گئے ۔ اور اب تو وہ زمانہ ہے کہ اوس کی عملی حیثیت کا ذکر کیا اوس کی نظری حیثیت کو بھی چھوڑ چکے ہیں ۔ اسلامی دنیا کے افراد اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور قرآنی اصول و ہدایت سے نا آشنا ہونے میں غیر مسلم افراد و اقوام سے پیچھے نہیں ہیں ۔ اسلامی اصول و نظریات پر عمل کی کس طرح امید کی جا سکتی ہے جبکہ اون کا تذکرہ بھی مسلمانوں کے لئے دلچسپ و مرغوب خاطر نہیں رہا ہے ۔ اصول اسلامی و تعلیمات قرآنی سے عملی زندگی میں منحرف اور بے تعلق ہو جانے کا آخری انجام آج ہر مسلمان کے سامنے ہے جسکی خبر غیب حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کے اس ارشاد میں مذکور ہے:۔

قرآنی تعلیمات سے روگردانی کا انجام بد

فعند ذلک لا یبقی بیت مدر ولا وبر الا و ادخلہ الظلمۃ ترحۃ و اولجوا فیہ نقمۃ فیومئذ لا یبقی لکم فی السماء ولا فی الارض ناصر

(نہج البلاغہ ص ۱۶۵)

"جبکہ مسلمان قرآن کی تعلیمات سے منحرف ہو جائیں گے اس وقت نہ شہریوں کا کوئی مٹی سے بنا ہوا گھر ہو گا ۔ اور نہ بدویوں کا کوئی بالوں کا خیمہ جس میں ظالموں نے رنج و غم نہ داخل کر دیا ہو ۔ اور مصیبت نہ نازل کر دی ہو ۔ اس دن تمہارا نہ کوئی آسمان میں مددگار رہے گا نہ زمین میں۔"

عقلوں نے جب آزادانہ فکر و غور کی فرصت پائی اور فطرت کے تقاضائے انسانی دواعی کو مناسب و غیر مناسب سمجھنے اور سوچنے کی طرف مائل کیا اور عقلیت پسند طبیعتیں درپے تجسس و تحقیق ہوئیں تو ان کے سامنے ایک طرف انسانی خود غرضی

ونفس پرستی کے ہاتھوں زیادہ عیسائیت تھی اور دوسری طرف دین و مذہب کے پردہ میں روح دین و مذہب کو پامال کرنے والے اکابر مسلین کے اخلاق و کردار کی گشتہ اسلامیت۔ غرض مجموعی طور پر دنیا اون کے سامنے اندھیری تھی لہذا مذہب سے عام بدگمانی اور دین سے کلی نفرت پیدا ہوگئی۔ اور غیر مذہبی اصول بلکہ خالص شیطانی نظریات پر نظامات بنے گئے۔ جن کا غیر منقطع سلسلہ نسل انسانی کی تباہی و ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے۔ اور حضرت رسالتمآب صلعم کی یہ پیشین گوئی واقعات کی صورت میں اسلامی دنیا کو بالخصوص دعوت نظر دے رہی ہے۔

عالم اسلام کے انقلاب ذہنیت اور اس کے نتائج کی بابت آنحضرت صلعم کی خبر غیب :-

---

یاتی علی الناس زمان بطونهم الھتھم ونساءھم قبلتھم ودنانیرھم دینھم وشرفھم متاعھم لا یبقی من الایمان الا اسمه ولا من الاسلام الا رسمه ولا من القرآن الا درسه مساجدھم معمورۃ وقلوبھم خرابۃ علماءھم شر خلق اللہ علی وجه الارض فی ابتلاھم اللہ باربع خصال جور من

لوگوں پر ایسا زمانہ عنقریب آنے والا ہے جس میں اون کے پیٹ اون کے معبود ہوں گے۔ اون کی عورتیں اون کی قبلہ ہوں گی اون کا دین اونکے دنیا ہوں گے مال و متاع ہی پر اون کے شرف کا مدار ہوگا۔ ایمان کا محض نام اسلام کا فقط نشان رہ جائے گا۔ قرآن کی تعلیم بس سبق پڑھا دینے تک محدود ہو جائیگی مسجدیں تو آباد ہوں گی مگر دل ویران ہوں گے۔

السلطان وقحط من الشیطان وظلم من الولاۃ والحکام وشرکۃ مع العدو فتعجب الصحابۃ قیل یا رسول اللہ ایعبدون الاصنام قال نعم کل درہم عندھم صنم (لئالی الاخبار ص ۳۴)

اور ان کے علماء بدترین خلق خدا ہوں گے ایسا زمانہ آئیگا تو خدا چار باتوں میں اُن کو مبتلا کرے گا۔ سلطنت کا ظلم، قحط و گرانی۔ حکام کا ظلم، دشمنوں کے ساتھ شرکت۔ اس پر صحابہ کو تعجب ہوا۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم! کیا وہ لوگ بت پوجیں گے تو فرمایا ہاں ہر درہم اون کے نزدیک ایک بت ہوگا۔"

حالات زمانہ کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام معیشت کا واضح خاکہ دنیا کی بیقرار و متجسس نگاہوں کے سامنے لایا جائے ممکن ہے کہ مضطرب دلوں کو توفیق ربانی اس سے ہدایت پانے اور روشنی حاصل کرنے کی طرف مائل کردے۔

چند بنیادی باتیں جن پر اسلامی نظام معیشت کا سمجھنا موقوف ہے

اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کو سمجھنے اور دور جدید کے اقتصادی و معاشی نظامات سے اس کا فرق معلوم کرنے کے لئے چند باتوں کا جان لینا ضروری ہے جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(اول) اسلام فقط ذہنی حالت اور قلبی کیفیت اور فلسفی عقائد و نظریات ہی کا نام نہیں ہے جس کا تعلق انسان کی روح و قلب و ضمیر اور محض روحانی زندگی تک محدود ہو۔ بلکہ وہ نہایت وسیع اور جامع دستور العمل اور ہمہ گیر نظام ہے جس کا تعلق آدمی کی روحانی زندگی کی طرح اوس کی دنیوی زندگی سے بھی ہے وہ ایک

ایسا مذہب ہے جو عقیدہ بے عمل کا مخالف ہے۔ وہ ایسی نظری و ذہنی حالت کا
حامی نہیں جس کا ظہور روزمرہ کی زندگی اور ہر طرح کے چال و چلن میں نہ ہوتا ہو۔
یہ صحیح ہے کہ مذہب اسلام کی جڑ خالص باطنی و روحانی عالم میں قائم کیجاتی ہے
اور ایمان کی بنیاد ذہنی دنیا میں رکھی جاتی ہے۔ مگر جسمانیت کی ظاہری دنیا اور
عالم اعضاء و جوارح میں اوس کی شاخوں کا نمودار ہونا بھی لازم ہے۔ وہ اصل
کس کام کی جس کی شاخیں نہ نکلیں اور ان شاخوں میں پھل نہ آئیں۔ اسلامی نظریہ
یہ ہے کہ عقائد اصول ہیں اور اعمال اون کی فروع۔ اصل بے فرع اور فرع
بے اصل دونوں بے ثمر رہیں گی۔ عقیدہ بے عمل کے لاحاصل رہیگا اور عمل
بے عقیدہ سے پھل حاصل ہونے کی آرزو محض خیال خام ہے۔ اسی کا بیان
اس آیہ مبارکہ میں ہے ۔۔۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

(اے رسول) کہدو کیا ہم ایسے لوگوں کا پتہ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں۔ (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں اکارت ہوگئی۔ اور وہ اس خیال خام میں ہیں کہ اچھے اچھے کام کر رہے ہیں!!

ضمیر و قلب کی طرح اعضاء و جوارح بدن کو بھی اسلام کی حقیقت سے خاص
تعلق اور برابر کی نسبت ہے۔ جبتک وہ مصروف کار نہ ہوں گے اور حرکات
عملیہ کا مظہر نہ بنیں گے حقیقت کا طرہ اسلام کا وجود غیر ممکن ہوگا۔ اسی بات
کی جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد مندرجہ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلام مذہب عمل ہے، عمل اس کا عین حقیقت ہے :-

لانسبن الاسلام نسبة لم ینسبها احد قبلی الاسلام هو التسلیم و التسلیم هو الیقین والیقین هو التصدیق والتصدیق هو الاقرار والاقرار هو الاداء والاداء هو العمل - نہج البلاغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۰

"میں اسلام کی ایسی صفت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی۔ (اسلام کیا ہے ؟) وہ تسلیم (حکم خدا کو ماننا) ہے اور تسلیم یقین ہے اور یقین (پیغمبر کی) تصدیق ہے اور تصدیق (اطاعت خدا اور رسول صلعم کا) اقرار ہے اور اقرار اداء (طاعت و بندگی) ہے - اور اداء عمل ہے (ان مقدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام عین عمل ہے -

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے

(۱) الایمان عمل کلہ - (اصول کافی) سارا ایمان عمل ہے

سارا ایمان عمل ہے

تمام اعضاء و جوارح کا ایمان میں حصہ ہے

(۲) ان اللہ فرض الایمان علی جوارح بنی آدم و قسمہ علیها و فرقہ علیها -

(۲) خدا نے ایمان کو اولاد آدم کے اعضاء و جوارح پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے

مختصر یہ کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے عمل کا طالب اور بے عملی سے متنفر اور کاہلی و سستی و بیکاری و بطالت کا دشمن ہے - عملی زندگی سے باوجود قوت و استطاعت الگ ہو کر زندگی بسر کرنے میں کسی انسان کی ہمت افزائی نہیں کرتا ہے -

اسلام کے نزدیک مفہوم عبادت بہت وسیع ہے (دوم) عبادت دین اسلام کی اصطلاح میں فقط

قلبی وذہنی اعمال تک محدود نہیں۔ تفکر و تذکر۔ ایمان وایقان، گیان ودھیان ہی تک حقیقت عبادت ختم نہیں ہو جاتی۔ اور نہ صرف نماز روزہ و حج وغیرہ بدنی اعمال کا نام عبادت ہے بلکہ عبادت ہر وہ عمل ہے جو خدا کے احکام کے مطابق اس کی خوشنودی و رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ خدا کی فرمانبرداری و اطاعت کا جذبہ و ارادہ حقیقت عبودیت و روح عبادت ہے اور ہر وہ کام بندگی و عبادت ہے جس سے مقصود خدا کی فرمانبرداری و تعظیم امر الٰہی ہو خواہ وہ خالق و مخلوق، معبود و عبد کے روابط سے تعلق رکھتا ہو یا افراد انسان کے باہمی معاملات و حقوق سے یا خود نفس انسانی کے اون حقوق سے جن کا ادا کرنا اوس پر لازم ہے یہانتک کہ اپنے بچوں کو پیار کرنا، اُن کو ہنسانا کھلانا بھی عبادات میں داخل ہے۔ جانوروں کی خدمت بھی کار خیر و عبادت ہے۔

اپنے بچوں کو پیار کرنا بھی عبادت ہے

من قبل ولدہ کتب اللہ لہ حسنۃ ومن فرحہ فرحہ اللہ یوم القیامۃ (لیالی الاخبار صفحہ ۲۳۳) "جو شخص اپنے بچے کو پیار کریگا خدا اوس کے نام پر ایک نیکی درج فرمائیگا اور جو آدمی اپنے بچے کو خوش کرے گا خدا اس کو بروز قیامت فرحت عطا فرمائیگا"

(۲) جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے:۔

جاء رجل الی النبی فقال ما قبلت صبیا قط فلما ولی قال رسول اللہ هذا رجل عندی انه من اهل النار۔

(ئالی الاخبار ص۳۱۰)

"ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ شخص جہنمی ہے"

پیاسے جانوروں کو پانی پلانا بھی عبادت ہے

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:۔

من سقی کبد احر من بھیمة اوغیرها اظله الله فی ظل عرشه یوم لاظل الاظله

(ئالی الاخبار ص۳۵۷)

"جو شخص کسی جلتے جگر کو سیراب کرے خواہ وہ حیوان کا ہو یا غیر حیوان کا تو خدا اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس دن جس میں سوا خدا کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا"

اسلام مذہب عدل واعتدال اور انسان کا قدیم ترین مذہب ہے

(سوم) اسلام وہ مذہب عدل واعتدال ہے جس کی تاریخ نوع انسانی کی تاریخ سے وابستہ ہے اور جس کے متعلق حدیث میں ہے:۔

هو دین الله قبل ان تکونوا حیث کنتم وبعد ان تکونوا فمن اقر بدین الله فهو مسلم ومن عمل امر الله

"اسلام تمہاری پیدائش سے پہلے بھی خدا کا دین تھا اور اس کے بعد بھی دین خدا ہے جس شخص نے دین الہیٰ کا

فهو مومن ط — کا اقرار کیا وہ مسلمان ہے اور جو اس پہ عمل کرتا ہے وہ مومن ہے۔"

دنیا میں تبلیغ اسلام کی غرض قیام عدل و انصاف ہے

پیغمبروں کے ذریعہ اس کو دنیا میں بھیجنے اور رواج دینے کی غرض یہی بتائی گئی ہے کہ بندگان خدا کو عدل و انصاف کے طریقے پر چلایا جائے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن معجزے دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان عمل نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

جور و ظلم و بے اعتدالی اس مذہب کے اصول کی حدود سے باہر ہے وہ کسی کی طرف سے اپنے ہی نفس پر کیا جائے یا دوسرے انسانوں پر۔ بانی اسلام نے نہایت صاف اور واضح لفظوں میں فرمایا ہے:-

اسلام کا بنیادی اصول کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اگرچہ وہ اسکی ضرررسانی کا بدلہ کیوں نہ ہو

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام[1] "اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار"

[1] مجمع البحرین میں ہے الضرر ابتداء الفعل والضرار الجزاء علیہ یعنی ضرر کسی کو ابتداءً نقصان پہنچانا ہے اور "ضرار" کسی کی ضرررسانی کا بدلہ لینا۔

یعنی قانونِ اسلام میں کوئی ایسی دفعہ اور احکامِ اسلامی میں کوئی ایسا حکم نہیں جس کے وضع کرنے کی غرض بندگانِ خدا کو ضرر پہنچانا ہو۔ یا جن کو صحیح طریقہ پر زیرِ عمل لانے سے خلق اللہ کو ضرر و نقصان پہونچتا ہو۔ نیز اسلام اس پر بھی راضی نہیں کہ کسی کی ضرر رسانی کا بدلہ ضرر رسانی سے لیا جائے۔

یہ زرین اصول دستورِ اسلامی کے لئے بنیاد کی حقیقت رکھتا ہے قوانین معیشت اسی کے ماتحت بنائے گئے ہیں لہذا ہر وہ طریقہ جس سے انسانیت پر ظلم ہوتا ہو اور بشریت اس سے ضرر رسیدہ ہوتی ہو۔ غیر اسلامی ہوگا خواہ وہ کسب دنیا کے لئے اختیار کیا جائے یا طلب آخرت کے لئے عصرِ حاضر کے ادیان مروجہ ایسے اعلیٰ اصول کی مثال نہیں لا سکتے۔

انسان کے لئے کون سا نظامِ معاشی مناسب ہوگا (چہارم) انسانی زندگی کے لئے معاشی نظام تجویز کرنے اور اس کو زیرِ عمل لانے سے پیشتر فطرتِ انسانی پر غور و فکر کرنا اور یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ حقیقتِ انسانیہ کیا ہے اسکے ضروریات و لوازم کیا ہوں گے؟ انسانیت کس چیز کا نام ہے اور اُس کے مناسبات کیا ہیں؟

انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ "انسان" نہ صرف بدن کا نام ہے۔ نہ صرف روح کا بلکہ ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حقیقت انسان کا تعلق جسمانیت اور روحانیت دونوں سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسانی حقیقت کے یہ دونوں جزو ترکیبی اپنی خواہشیں اور ضرورتیں الگ الگ رکھتے ہیں اور پھر ایک کا رزق اور غذا

جس سے وہ قوت و نشو و نما پاتا ہے۔ دوسرے کے رزق اور غذا سے مختلف ہے۔ ہر عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ انسانیت کی صحیح تربیت و پرورش کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان دونوں جزوں کی خواہشوں اور ضرورتوں کو ان کے حسب حال اور مطابق فطرت طریقے پر پورا کیا جا سکے۔ اگر صرف ایک جز کی طرف توجہ کی گئی اور دوسرے کو نذر تغافل و بے اعتنائی کر دیا گیا تو اس کی قوت گھٹتی جائے گی۔ اور رفتہ رفتہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات منشائے فطرت کے خلاف ہو گی۔ تجربے سے ثابت ہے کہ فطرت کا کوئی کام اور قدرت کا کوئی عمل بے فائدہ اور بے مقصد نہیں۔ خدا نے کسی ایسی چیز کو وجود کی نعمت اور ہستی کی خلعت سے سرفراز نہیں کیا جو عبث و بے کار ہو۔ لہذا حقیقت انسانیت کا کوئی جز جسمانیت یا روحانیت اگر بے فائدہ و حاصل ہوتا تو فطرت کی دنیا میں اسے جگہ نہ ملتی۔ اور قدرت خدا اس کو ہرگز پیدا نہ کرتی۔

ظاہر ہے کہ دونوں جزوں (بدن اور روح) میں سے کسی ایک جز کو فنا کر دینے کا نتیجہ خاتمہ انسانیت ہے۔ اس صورت میں آدمی یا خالص مادی یعنی حیوان ہو گا۔ یا محض فرشتہ جس کو اس دنیا کی مادیت و جسمانیت سے واسطہ نہیں، صورت انسانیت بہر حال بے ثمر و لاحاصل رہے گی۔

انسان حیوان بنکر بھی غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بنا سکتا یہاں یہ بات نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ اگرچہ انسان حیوان بلکہ حیوان سے بدتر ہو سکتا ہے مگر اپنی عقلی فطرت اور اس کے نتائج سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ خالص حیوان بن سکتا ہے

مگر حیوان کی طرح غیر ذمہ دار اور آزاد فطرت نہیں بن سکتا۔ عقلی فطرت نے
اس کو ہستی کے پاؤں میں جو ذمہ داریوں کے بندھن ڈال رکھے ہیں اون سے
آزادی ناممکن ہے وہ مادیت وجسمانیت میں شدت انہماک کی وجہ سے نرا حیوان
بن سکتا ہے۔ لیکن حیوانوں کی طرح خوف بازپرس وخطرہ مسئولیت سے آزاد
نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انسان ترک دنیا کے ذریعہ فرشتہ بن جانے کی
کوشش کر سکتا ہے۔ مگر فرشتوں کی طرح مادی دنیا سے فطری بے نیازی و استغنا
حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ مادی مخلوق ہے اس کی پرورش چمنستان دنیا ہی میں ہوتا
ہے اس کے نخل ہستی نے اس چمن کی ہوا کھا کر نشوونما پائی ہے اور اسی چمن میں
بہرحال اس کو رہنا ہے۔ پھر اوس کی یہ کوشش کہ چمن دنیا کی ہوا نہ لگے محض ناکام
کوشش ہوگی وہ مجرد فرشتہ کبھی نہیں بن سکتا۔ اور بالفرض اس کو مرتبہ ملکیت
حاصل بھی ہو جائے تو انسانیت کا فطری شرف کھو بیٹھے گا۔ جس کی بنا پر وہ
مسجود ملائکہ بنایا گیا تھا۔ فرشتے نمائندۂ انسانیت کے آگے سربسجود تعظیم ہوئے
تھے نہ کہ نمائندہ ملکیت کے سامنے انسان ـــــ کے لئے باعث شرف
وکمال اوس کی انسانیت ہے نہ کہ ملکی طبیعت؟

اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اس بات میں اشتباہ نہیں ہو سکتا کہ
روح وبدن کے مجموعہ مرکب انسان کے لئے مناسب فطرت وہی نظام معیشت ہو سکتا ہے
جو روح وبدن دونوں کی خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہو جس میں دونوں کو
حسب منشا فطرت ایک ساتھ قوت پانے اور نشوونما کے درجہ تک پہنچنے کا بندوبست
کیا گیا ہو۔ اور بنا بر اصول عدل وانصاف اس کا انتظام موجود ہو کہ نہ جانب جسمانیت

دونوں میں کسی کے حق میں ظلم واقع نہ ہونے پائے جہاں دونوں کے مفاد ٹکراتے ہوں اُن میں صلح و اعتدال کی حالت پیدا کردی گئی ہو۔ حاصل کلام یہ کہ انسان کے لئے ایسا ہی نظام معاشی درکار ہے جو اس کو حقیقی معنوں میں انسان بنائے۔ ایسے نظامات جن کا نصب العیش اور انجام خالص جانور یا مجرد فرشتہ بنانا ہو۔ حسب حال انسان اور نظام اسلامی نہیں ہو سکتے۔ نظام اسلامی بس وہی ہو سکتا ہے جو اپنی جامعیت و وسعت و اعتدال پسندی کی وجہ سے روحانیت و جسمانیت دونوں پہلوؤں کو مطمئن اور ترقی یافتہ کر سکتا ہو۔ یہ مقام نازک ہے۔ عقل کے قدم یہاں اکثر پھسل جاتے ہیں۔ لہذا توضیح کے لئے کچھ اور کوشش نفع سے خالی نہ رہے گی۔ ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ہم کھاتے پیتے۔ چلتے پھرتے سوتے جاگتے اور جسمانی لذات سے مسرت اندوز ہوتے ہیں پھر کیا ہم انہیں صفتوں کی وجہ سے انسان ہیں؟ اور کیا یہ نظریہ درست اور مناسب حال انسانیت ہو سکتا ہے۔ اور ہم محض کھانے پینے، سونے جاگنے اور چند روز عیش و طرب کے سامانوں میں رہکر ہمیشہ کے لئے آغوش علام میں چلے جانے اور ہمکنار فنا ہو جانے کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہمکو دنیا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور زندگی دنیا ہی تک ہمارا مقصد ہستی محدود ہے ہماری زندگی کے مقاصد دنیا سے آگے نہیں بڑھتے؟ کیا دنیا کا مال و دولت اور آرام و چین ہی انسانی سعادت و اقبال مندی و خوش نصیبی کی انتہا ہے؟

عقل انصاف پرور سے پوچھا جائے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اگر انسان کو محض حیوان صفت بنانا ہوتا، اس کی غرض خلقت زندگی دنیا تک

محدود ہوتی، اور اس کا وجود صرف اس لئے ہوتا کہ چند روزہ زندگی میں کھائے پیئے چین کرے اور بالآخر ہمیشہ کے لئے پیوند خاک ہو جائے تو اس کو قوت عقل و شعور نہ دی جاتی اور اس کو انجام بیں نہ بنایا گیا ہوتا کیونکہ ان چیزوں کو اس کے اس مقصد ہستی سے کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ اور نہ اس کو اس مقصد کی تکمیل میں ان کی ضرورت پڑتی۔ بلکہ یہ چیزیں اس کے مذکورہ بالا مقصد ہستی میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ عقل غم انگیز و شعور انجام بیں اور فکر رنج خیز کا حاصل زندگی دنیوی کی بے لطفی و بدمزگی کے سوا اور کیا ہے۔ انھیں رکاوٹوں کی بدولت انسان حیوانوں کی طرح خالص اور مکمل سکون دل و بے فکری کی زندگی سے محروم ہے۔ غم فردا اور رنج دنیا اس کو کمال عیش و طرب سے روکتا ہے۔ اس لحاظ سے حیوانات کا حال انسان سے کہیں بہتر ہے۔ ان کے خیالات کے شیرازے کو حوادث دنیا پریشان نہیں کرتے ان کے سکون دل میں کوئی خیال فکر انگیز خلل انداز نہیں ہوتا۔ غبار رنج و ملال دنیا سے ان کے آئینہ ہائے دل مکدر نہیں ہوتے وہ اپنی خواہشوں کی تحصیل میں آزاد ہیں۔ ان کی دنیائے عیش و مسرت میں غم فردا اور رنج عاقبت کی آندھیاں نہیں، تشویش اور غبار فکر انجام محیط فضا نہیں ہوتا۔ لہذا اسیر عقل و ہوش و کشتۂ خرد تفکر خیز انسان، جسمانی لذتوں اور مسرتوں سے خالص اور کامل ہوسناکی میں آزاد حیوانوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے۔؟

جن دماغوں میں اس خیال کی پرورش گاہ ہے کہ انسان محض دنیا کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ در اصل انسانیت و حیوانیت کا دقیق و لطیف تفرقہ و امتیاز سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر ان میں قوت تمیز ہوتی تو اس حقیقت سے

ناواقف نہ رہ جائے کہ حواس کی دنیا عالم حیوانیت ہے اس عالم سے قدم آگے نہ
بڑھانے والے کے لئے قوت عقل و ملکہ انجام بینی کی ضرورت نہیں۔ بدنی وحسی لذتوں
اور مسرتوں کے لئے صرف حواس ظاہرہ کی صحت و قوت کی ضرورت ہے۔ عقل
و شعور و قوت انجام بینی کا وجود نہ فقط غیر ضروری بلکہ باعث ضرر ہے۔ چونکہ
حیوانات بس اسی دنیا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کی زندگانی کے مقاصد و
اغراض یہیں اور اسی عالم جسمانی و مادی کسی اور دنیا کا تصور نہیں ہے لہذا فطرت
نے اون کو جوہر عقل و شعور سے دور رکھا اور صرف حواس ظاہرہ بخشے اور
انسانی مشاعر حسی سے زیادہ قوی اور مکمل حسی تدبیر عطا کیں جن کی وجہ
سے وہ جسمانی لذات کو حسب خواہش دل بغیر کسی عقلی مزاحمت اور فکری
رکاوٹ کے بھرپور حاصل کرتے ہیں۔ اون کی فطرت کے خزانے کا جوہر عقل
و شعور سے خالی رکھا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ محض حیوانی زندگی بسر کرنے
اور دنیوی نعمات و لذات سے بہرہ مند ہونے کے لئے عقل و خرد کی حاجت نہیں

حیوانیت و انسانیت کے حدود

حواس ظاہرہ کی دنیا عالم حیوانیت ہے انسانیت کی حد وہاں سے
شروع ہوتی ہے جہاں سے نور عقل کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اس کا ظہور یہ
ثابت کرتا ہے کہ انسانیت کا علاقہ اس دنیا سے بھی ہے جس میں حواس ظاہرہ
کام نہیں دے سکتے۔ اور اوس کو ایسی لذتیں اور مسرتیں بھی نصیب ہو سکتی
ہیں جن سے حواس ظاہرہ ناآشنا ہیں۔ جو لوگ محض ظاہر حیات دنیا کا تصور
رکھتے ہیں وہ حیوانیت و انسانیت کے دقیق فرق اور حقیقت انسانیت

کہ مقصد ہستی کا حیوانی غرض خلقت سے امتیاز نہیں کر سکتے وہ اس سے غافل ہیں
کہ انسان اگرچہ حیوان بھی ہے اور انسانیت میں حیوانی حصے بھی موجود ہیں مگر صرف
وہی مقصود فطرت نہیں ہیں بلکہ یہ حصے اس لئے رکھے گئے ہیں کہ انسانیت کو خالص
ملکیت سے امتیاز پانے میں ان کی حاجت تھی۔ اور ملکیت پر انسانیت کا تفوق
ان کی امداد اور اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہ تھا۔ انسان کی مرکب فطرت
کو سمجھنے والے اس میں شبہ نہیں کر سکتے کہ اس کو ایسے ہی نظام معیشت کی ضرورت
ہے جو اس کو خالص حیوان نہ بنائے۔ مگر اس سے حصہ حیوانیت کی حق تلفی بھی
نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ فنا ہو کر وجود انسانیت کو بھی ناممکن بنا
بنا دے گا۔

ایسا جامع نظام وہی ہو سکتا ہے جو اخلاقی بنیادوں پر مرتب کیا جائے
اور حیوانیت و انسانیت کے درمیان حالت اعتدال پیدا کرنے والا ہو تاکہ
دنیوی معیشت کے وسیع وسائل و اسباب سے اس طرح فائدہ حاصل کیا جا سکے
کہ انسان کی عقلی و اخلاقی ترقی میں سدراہ نہ بنیں اور حیوانی حصہ معتدل و ترقی یافتہ ہو کر
انسانیت کا مددگار بن سکے۔ وہ نظام جو اس کے خلاف ہو وہ انسانی فطرت کے لئے
موزوں نہیں ہو سکتا۔

سگ دنیا بن جانا آسان ہے مگر انسان عادل بننا مشکل ہے اسی طرح تارک الدنیا
وزاہد خشک بن جانا سہل ہے مگر مرد باعمل بننا دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ محض دنیا دار
وزاہد خشک عالم میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور انسانی عقلوں نے افراد انسانی
کے لئے ابتداء تمدن سے آج تک جتنے نظامات تیار کئے ہیں ان میں سے کوئی

بھی افراط و تفریط اور بے اعتدالی سے خالی نہیں۔

عالم کے غیر معتدل نظامات معیشت کی ۲ دو قسمیں

ایک قسم ایسے نظامات کی ہے جو آدمی کو محض دنیا دار و آخرت فروش بنا دیتے ہیں اوس کو ماوراء دنیا زندگی کا نہ تصور ہو سکتا ہے اور نہ اس کی طرف کسی طرح کی اصلاحی توجہ۔ ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:۔

(۱) يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (سورۂ روم)

(۱) وہ یہ لوگ بس ظاہر زندگی دنیا کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (ہود)

(۲) جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آزمائش و زینت کا خواہاں ہے ہم اس کے کاموں کا ثمرہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیں گے وہ لوگ اس معاملے میں گھاٹے میں نہیں رکھے جائیں گے۔ مگر یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان لوگوں کی تمام کارگزاریاں اکارت جائیں گی اور دنیا میں جو کچھ کیا کرتے تھے وہ سارے اعمال ملیا میٹ ہو جائیں گے۔"

دوسری قسم اون میں سے ایسے نظامات کی ہے جن کو اختیار کرنے کا حاصل غیر معتدل زہد کے طریقوں پر لگ جانا ہے جس سے انسان کے لئے نہ صرف

دنیا و مافیہا بلکہ خود اس کی ہستی بھی سراسر مہمل ۔ عبث ولا حاصل ہو جاتی ہے اسکی
زبانِ حال ارشادِ ربانی "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" کی تصدیق کرنے پر
تیار نہیں ہوتی ۔ اور وہ عملی طور پر فرمانِ خداوندی خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا کو جھٹلاتا ہے ۔ غرض اوس کے فلسفہ زندگی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عالمِ انسانی
سے اس کو نفرت ہوتی ہے اور تمام دنیا اور خود اس کا وجود بھی بالکل بے
و بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے ۔

صرف اسلام کا نظامِ معاشی معتدل اور مطابقِ فطرتِ انسانی ہے

ان غیر ...
طریقوں ...

کے درمیان مسلکِ اعتدال وہ ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے ۔ جنابِ رسول
اور ائمہ ہدیٰ اور ان حضرات کے اصحابِ عارفین کی سیرتیں جس کی طرف رہنمائی کرتی
ہیں اس کا خلاصہ علامہ مجلسی رح کے الفاظ میں یہ ہے :-

انہم ما کانوا یاخذون الدنیا للدنیا بل للدین وما کانوا یترھبون ویجتنبون الدنیا بالکلیۃ وما کان لھم فی الامور تفریط ولا افراط بل کانوا بین ذلک قواما وذلک ھو العدل والوسط بین الطرفین وھو احب الامور الی اللہ تعالیٰ ۔

"یہ حضرات دنیا کو دنیا کے واسطے نہیں بلکہ دین کے واسطے طلب کرتے تھے رہبانیت اون کا طریقہ اور دنیا کو بالکل ترک کرنا اُن کا شیوہ نہ تھا ۔ ان امور میں افراط و تفریط اون کے یہاں نہ تھی ۔ بلکہ وہ اعتدال پر قائم تھے اور یہی بات خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے ۔"

(شرح اصول کافی صفحہ ۳۰۹ جلد ۲)

پنجم۵ دنیا میں دو قسم کے

اعمال انسانی کی بنیاد دو قسم کے نظریئے ہیں۔ نظریہ الحاد ولامذہبی اور نظریہ خداپرستی

نظریئے و فلسفے انسان کے اعمال کی بنیاد بنتے ہیں۔ ایک نظریہ الحاد ولامذہبی اور دوسرا فلسفہ خداپرستی وایمان باللّٰہ والیوم الآخر۔

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں کا انسانی اخلاق وکردار پر کیا اثر ہوتا ہے اور ان کی بنیاد پر جو قوانین بنائے جائیں گے اُن کی نوعیت کیا ہوگی؟

نظریہ الحاد ولامذہبی کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"ہستی میں کوئی خدا نہیں ہے جو انسانی افعال کا دیکھنے والا اور اُن پر بازپرس کرنے والا ہو۔ ہم آزاد مطلق ہیں ہم کو اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں کسی غیبی طاقت کا خوف نہ ہونا چاہیئے زندگی دنیا ہی تک محدود ہے ہمارے افعال کی طرح اُن کے ثمرات ونتائج بھی دنیوی زندگی ہی تک ختم ہوجاتے ہیں۔"

اسے کون نہیں جانتا کہ ہر ظاہر وباطن سے رقیب وناظر خدا، اور جزا اور روز جزا سے انکار کے بعد انسانی ہوا وہوس اور نفس امارہ کی مطلق العنانی کی روک وتھام دشوار ہوجائے گی۔ جب انسان یہ سمجھ لے گا کہ زندگی چند روزہ ہے۔ بہار دنیا کی مدت قلیل کے بعد ہمیشہ کے لئے خزاں ہی ہے تو اسے کوئی اخلاقی قوت دنیا کی نعمتوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے۔ اُن سے زیادہ سے زیادہ لذت یاب ہونے سے نہ روک سکے گی۔ بندۂ حرص وہوا بن جانے اور

This lead to unnecessary works

بہیمانہ جذبات پر دل کھول کر عمل کرنے سے کوئی چشم نمائی کرنے والا نہ ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیائے الحاد و لامذہبی میں "حیا و قناعت" ایسے گرانقدر اخلاق کو فلسفہ اخلاق سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔

واقف رموز فطرت پیغمبر اسلامؐ فرما گئے ہیں "لا دین لمن حیاء لہ" یعنی دین اور حیا میں تلازم ہے جہاں ایک نہیں وہاں دوسرا بھی نہ ہوگا۔ اور جب حیا نہ ہوگی تو آدمی کے اعمال و کردار پر کوئی پابندی روک ٹوک باقی نہ رہ جائے گی۔ حدیث نبوی میں ہے "اذا لم تستحیِ فافعل ما شئت" جب تم میں حیا و شرم نہیں تو جو چاہو کرو۔"

اسی طرح باعث ظہور خُلق قناعت صرف امید مستقبل و آرزوئے فردا ہو سکتی ہے یعنی یہ توقع کہ آج کی کمی کل پوری ہو جائے گی۔ جہاں نہ دین ہوگا نہ حیا نہ قناعت نہ مستقبل کی توقع اور آئندہ کی امید۔ وہاں نفس امارہ کا آزاد مطلق ہو جانا لازم ہوگا۔ آدمی اس خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے نہ روک سکے گا کہ جتنا ممکن ہو دنیا میں کھا پی لو۔ چین کر لو۔ عیش و عشرت۔ لذت و مسرت کے اسباب فراہم کرنے میں کمی نہ کرو۔ عیش کوشی اور متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی میں کمی ہمیشہ کے خسارہ کا باعث ہوگی۔ چونکہ مذکورہ بالا خیال و نظریئے کے تحت ہر فرد بشر بوالہوس و اسیر حرص و ہوا ہوگا اس کی ہمت و فکر دنیا طلبی کے میدان میں مقید و محدود نہ ہوگی۔ لہٰذا افراد انسانی میں تنافس و مسابقت۔ بغض و حسد تفاخر و تکاثر کے جذبات ابھریں گے۔ جن کا انجام بدنظمی عالم اور ہمہ گیر فتنہ و فساد ہوگا۔ امن و امان اور سکون و اطمینان کی نعمت میسر نہ ہو سکے گی۔ آدمی کی عزت نفس نا

دنیا طلبی اوس کو دین کی طرح دنیا سے بھی محروم کر دے گی۔ افراط ہوس دنیا کی بدولت عیش زندگی ناپید ہو جائے گا۔ اور انسانی احوال اس تصویر کے عین مطابق ہوں گے جو اس آیت قرآنی کے آئینہ میں دکھائی گئی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

"خدا نے ایک گاؤں کی مثل بیان کی جس کے باشندے امن و چین میں مطمئن زندگی گذار رہے تھے ہر طرف سے اُن کی روزی بافراغت چلی آتی تھی۔ مگر اُن لوگوں نے نعمات الٰہیہ کی ناشکری کی تو خدا نے اون کے کافرانہ کرتوتوں کی بدولت بھوک اور خوف کو اُن کا اوڑھنا اور بچھونا بنا دیا۔"

کیا آج نام نہاد عقلائے عالم کی شامت اعمال اور الحاد پرستی و انکار خدا اور روز جزا کے تاریک جذبات کے ماتحت بنائے ہوئے نظامات ہی کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ خوف و ہراس اور فاقہ مستی کی کالی گھٹاؤں نے عالم انسانیت کو گھیر لیا ہے؟ اور ان کے ملحدانہ نظریات و اصول ہی کا یہ تلخ ثمرہ نہیں ہے کہ عامہ خلائق کو معاشی مشکلات کا سامنا ہے؟ ہوس دنیا کے بندے جیتے دنیا سے بھی اوسی طرح محروم ہوتے چلے جاتے ہیں جس طرح وہ عیش آخرت سے مایوس تھے؟ دنیا کے حال خراب کی زبان پر عبرت و نصیحت کے پیغام تو بہت ہیں۔ مگر سننے والے بہت تھوڑے بلکہ ناپید ہیں۔

نظریہ مادیت والحاد اور نظریہ خدا پرستی کے متعلق مفصل بیان قرآنی بشکل مکالمہ

نظریہ خدا پرستی اور ایمان باللہ و ایمان بالیوم الآخر پر جو نظام معیشت قائم کیا جائے گا اس کی صورت حال مذکورہ بالا نوعیت سے مختلف ہوگی۔ یہ دونوں نظریے مع اپنے نتائج کے قرآن مجید میں بصورت مکالمہ مومن و ملحد مذکور ہیں :۔ (سورہ کہف)

(ترجمہ) اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے بیان کرو مثل ان دو شخصوں کے جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کئے تھے۔ اور خرمے کے درختوں سے ان باغوں کو گھیر دیا تھا۔ اور ان دونوں باغوں کے درمیان زراعت بھی قرار دی تھی۔ وہ دونوں باغ خوب پھل لائے۔ پھل لانے میں کچھ کمی نہیں کی۔ اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی۔ وہ شخص اپنے ساتھی سے جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں۔ اور جتھے کے اعتبار سے تم سے زیادہ باعزت ہوں۔ (یہ باتیں کہتا ہوا) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔ درحالیکہ وہ (کفران نعمت خدا کی وجہ سے) اپنے اوپر ظلم کر رہا تھا۔ (وہاں) وہ بول اٹھا کہ مجھے تو اس کا گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہو جائے گا۔ اور مجھے یہ خیال نہیں ہوتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور (بالفرض) میں پروردگار کے پاس لوٹایا گیا تو (وہاں بھی) اس سے اچھی جگہ یقیناً پاؤں گا۔ (یہ باتیں سُنکر) اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کر رہا تھا یہ کہا کہ تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر تجھے معتدل و درست قد و قامت کا آدمی بنایا۔ لیکن ہم تو (یہ کہتے ہیں)

وہی خدا میرا پالنے والا ہے - میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا - جب تو نے باغ میں قدم رکھا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ (یہ خدا ہی کی مرضی سے ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ (سب قوت اور بل بوتے بس خدا ہی کے دیئے ہوئے ہیں - اگر مال و اولاد کی تجھے میرے پاس کمی دکھائی دیتی ہے تو عنقریب خدا مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا - اور تیرے باغ پر کوئی ایسی آفت آسمان سے نازل کریگا جس سے وہ صاف چٹیل میدان بنجائے گا - یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے گا - پھر تجھے ڈھونڈھنے سے نہ ملیگا - (چنانچہ ایسا ہی ہوا) عذاب خدا نے اس کے پھلوں کو گھیر لیا - تب وہ کف افسوس ملنے لگا - (نظر کے سامنے) باغ الٹا پڑا تھا اور وہ بحسرت کہہ رہا تھا کہ کاش میں پروردگار کا شریک کسی کو نہ بناتا ــــ" (سورہ کہف)

انسان کا مقصد اہم خوف و حزن سے نجات ہے اور وہ صرف ربانی ہدایت نامہ سے پورا ہو سکتا ہے

انسان کا سب سے بڑا مقصد زندگی یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات پالئے اور امن و امان و خوشحالی اسکو میسر ہو - قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ زندگی کے طریقوں کی طرف ہدایت دینا ذمہ دار خدا ہے - انا علینا للھدیٰ "راہ دکھانا ہمارا ذمہ ہے" - اور خدا ہی کے ہدایت نامہ پر چلنے اور عمل کرنے سے انسان خوف و حزن سے نجات پا سکتا ہے :-

(ترجمہ) ہم نے یہ کہدیا کہ تم سب یہاں سے اتر پڑو تمہارے پاس اگر میری طرف سے ہدایت آئے تو (اسکی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے اُن کے واسطے نہ خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہونگے" (سورہ بقرہ) جس دستور ہدایت کی جانب اس آیہ مبارکہ میں اشارہ ہے وہ نظام اسلامی ہے جس کی ابتداء انسانیت کے سب سے پہلے نمائندے حضرت آدم سے ہوئی - اور حسب رفتار زمانہ نسل انسانی کی ترقی پذیری کے ساتھ ساتھ ارتقاء کے درجے طے کرتا ہوا حضرت خاتم المرسلین کے ذریعہ سے مرتبہ کمال کو

اسلام کے نظام معاشی کا مختصر خاکہ
انسان کا خدا سے تعلق!

(۱) انسان مخلوق خدا ہے۔ اور خدا ہی اس
کا پالنے والا اور امیدوں کا سہارا ہے۔
لہذا اس سے ایسے تعلقات کا قائم کرنا
ضروری ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان مناسب ہوں۔

انسان تنہا نہیں پیدا کیا گیا

(۲) انسان دنیا میں تنہا نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ
سفر ہستی میں اس کے رفیق اور نعمت وجود میں اس کے
شریک دوسرے افراد بھی ہیں۔ جو اسی کی طرح انسان اور خدا کی مخلوق ہیں۔ اور
ملک خدا میں ان کے حقوق بھی اسی کے برابر ہیں۔ نیز کمال زندگی تنہائی و عزلت کی
زندگی نہیں۔ انسان طبعی طور پر اپنے ہمجنسوں کے تعاون و اشتراک عمل کا محتاج ہے
بغیر اس کے وہ اپنے ضروریات زندگی و لوازم معیشت کو مہیا نہیں کر سکتا۔ لہذا
ازروئے انصاف حقوق و منافع میں ان کو اپنے برابر رکھنا چاہئے۔ انسانی جماعت
کی مثال بدن انسانی کی ہے اور ہر فرد اس کے عضو کی حیثیت رکھتا ہے اگر
اعضاء کے درد میں باہم شریک نہ ہوں تو اس کا انجام فنا و بربادی ہے۔ بدن جو ف
حاصل کرتا ہے وہ تمام اعضاء کے بدن میں حسب ضرورت و مناسب حالت تق
ہوتی ہے۔ کوئی عضو دوسرے کے لوازم و ضروریات میں مزاحمت نہیں کرتا
اگر ان میں فطری رواداری نہ ہوتی تو نظام بدن بگڑ جاتا۔ لہذا ہر فرد بشر کو اپ
دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ سلوک میں اسی مثال پر چلنا ہوگا۔ انفرادی و
خیر و منفعت کو اجتماعی مفاد اور بہبود سے الگ نہ ہونا چاہئے۔ انسان کی
عمل کو ایسا ہونا چاہئے۔ جو اس کے ذاتی خیر کا باعث ہوں اور دوسروں کے

فلسفوں میں نہیں ملتی۔ قرآن مجید و احادیث میں متعدد جگہوں پر اس نظریہ کو واضح کیا گیا ہے

دنیا بھی انسان کی لئے ہے اور آخرت بھی

چند آیات و احادیث یہ ہیں:۔

(۱) وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (ہود)

(۱) اپنے پروردگار سے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگو اور توبہ کرو۔ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھا سرمایہ زندگی دے گا۔ اور وہی ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت (کا ثمرہ) عطا فرمائیگا۔"

(۲) وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (قصص)

"خدا نے تجھے جو کچھ نعمتیں بخشی ہیں۔ ان کے ذریعے سے آخرت کے گھر کی بھی جستجو کر اور دنیا سے جتنا حصہ تیرا ہے اس کو بھی فراموش نہ کر۔ جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی دوسروں پر احسان کر۔ اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بیشک خدا فساد برپا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(۳) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (نحل)

(۳) مرد یا عورت جو آدمی اچھے کام کرے گا اور ایماندار بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک زندگی بسر کرائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان (لوگوں) کو اچھے سے اچھا اجر و ثواب دیں گے۔

(۴) فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ (آل عمران)

" خدا نے ان کو ثواب دنیا عطا کیا اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا اور خدا تو نیک کردار لوگوں کو دوست رکھتا ہی ہے۔

(۵) لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ (نحل)

(۵) اچھے کام کرنے والوں کے واسطے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے بہتر ہی ہے۔"

(۶) حدیث نبوی ہے:-

ان لانفسکم علیکم حقاً فصوموا وافطروا وقوموا وناموا فانی اصوم وافطر واقوم وانام واکل اللحم والدسم واتی النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی ۔

(۶) تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے لہذا روزے بھی رکھو افطار بھی کرو۔ راتوں کو نمازیں بھی پڑھو اور خواب استراحت بھی کر لیا کرو۔ دیکھو میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نمازیں پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں۔ گوشت اور روغن کھاتا ہوں۔ عورتوں سے ازدواجی تعلقات رکھتا ہوں۔ پھر جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

پرہیزگاروں کا دوگنا حصہ

(۷) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے

واعلموا عباد اللّٰہ ان المتقین ذھبوا بعاجل الدنیا وآجل الآخرۃ

" بندگان خدا! یہ جان لو کہ پرہیزگار لوگ دنیا و آخرت دونوں کی منفعت حاصل

فشاركوا اهل الدنيا في دنياهم ولم يشاركهم اهل الدنيا في آخرتهم سكنوا الدنيا بافضل ما سكنت واكلوها بافضل ما اكلت فحظوا من الدنيا بما حظي به المترفون واخذوا منها ما اخذه الجبابرة والمتكبرون ثم انقلبوا عنها بالزاد المبلغ والمتجر الرابح اصابوا لذة زهد الدنيا في دنياهم وتيقنوا انهم جيران الله غداً في آخرتهم لا ترد لهم دعوة ولا ينقص لهم نصيب من لذة۔

(نہج البلاغہ حصہ دوم ص)

وہ گزر گئے وہ اہل دنیا کے ان کی دنیا میں شریک رہے۔ مگر اہل دنیا ان کی آخرت میں شرکت نہ کر سکے۔ وہ دنیا کے بہتر ساکنوں کی حیثیت سے دنیا میں رہے۔ اور بہتر سے بہتر طریقہ سے دنیا کی نعمتیں کھائیں۔ لہذا انھوں نے دنیا سے وہ حظ اٹھایا جو خوشحال ثروت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ چیزیں بھی لیں جو جبر و جبروت کے متوالوں کو میسر ہوا کرتی ہیں۔ پھر اس دنیا سے منزل آخرت تک پہونچانے والے توشے اور پر منفعت تجارت کے ساتھ واپس گئے۔ انھوں نے دنیا میں زہد دنیا کی لذت چکھی اور یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ کل کو آخرت میں خدا کے ہمسایہ ہوں گے نہ ان کی دعا بارگاہ الٰہی سے رد ہوگی۔ اور نہ لذت کا کوئی حصہ ان کے لئے کم ہوگا۔

ارشاد حضرت صادق آل محمد علیہ السلام

(۸) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:-

ليس منا من ترك دنياه لآخرته ولا آخرته لدنياه (لئالی الاخبار ص ۱۵۳)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے یا آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑتا ہو۔

ان تمام آیات و احادیث سے دین اسلام کا یہ نصب العین ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھی انسان ہی کے لئے ہے اور آخرت بھی اسی کے لئے اور وہی نظام زندگی و دستور حیات مناسب حال انسان ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہو اور دین اسلام کے سوا ایسا جامع و حاوی نظام و دستور العمل اور کوئی نہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

خدا کو بھولنے کا انجام تنگیٔ معیشت ہے

(۹) نظریہ اسلامی یہ ہے کہ جس نظام معیشت کی بنیاد یادِ خدا سے غفلت پر ہوگی وہ انسان کی خوشحالی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ یادِ خدا سے منہ موڑ کر انسان کو کشادہ معیشت میسر نہیں ہو سکتی۔ اس طرح آخرت کو بھول کر دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں سرشار رہنے کا انجام یہ ہے کہ ابدی زندگی خراب ہو جائے اور دائمی ناکامی کا سامنا ہو۔

(۱) مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی۔ (طٰہٰ)

(۱) جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہو جائیگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

(۲) اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۔ (احقاف)

(۲) تم اپنے حصہ کی اچھی لذتیں زندگی دنیا میں ہی ختم کر چکے اور اس زندگی میں تم نے خوب چین کئے اور آج تم پر رسوا کن عذاب نازل ہوگا۔ اس لئے کہ تم روئے زمین پر ناحق اکڑتے تھے۔ اور بدکاریاں کرتے تھے۔

لہٰذا وہ ایسا نظام زندگی پیش کرتا ہے جس سے یاد خدا سے غفلت نہ ہو۔ خالق سے رشتۂ بندگی نہ ٹوٹے اور زندگی دنیا کی خیر وصلاح اخروی زندگی کی مسرتوں سے پیوستہ رہے۔

ربط دنیا و آخرت کے متعلق اسلامی نقطۂ خیال

اس مقام پر ضروری ہے کہ دنیا و آخرت کا وہ ربط جو اسلامی نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے اچھی طرح واضح کر دیا جائے۔

جس طرح آدمی حیوان بھی ہے اور انسان بھی۔ اسکی حیوانیت کو انسانیت سے ایسا فطری ربط ہے۔ جس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور انسانیت کا کمال بدون اشتراک جنبۂ حیوانیت کے ممکن نہیں۔ جنس حیوان ہی "عقل و نطق" کے اعلیٰ درجہ پر پہونچکر نوع انسان بن گئی ہے۔ اسی طرح آدمی کی دنیا کو اس کی آخرت سے علیحدہ کر لینا مشکل ہے اس کی دنیا ہی اس کی آخرت بھی ہو سکتی ہے اسلامی نقطۂ نگاہ کے بموجب دنیا و آخرت میں محض نظری و خیالی فرق ہے۔ جس کو محسوس کرنے کے لئے باریک بینی کی ضرورت ہے۔

حقیقت و ماہیت دنیا

بحر العلوم ملا محمد مہدی نراقی رح کتاب جامع السعادات میں فرماتے ہیں کہ

"زمین اور اس کی پیداوار یعنی معادن و حیوان و نبات دنیا کی حقیقت ہیں۔ انھیں موجودات کو دنیا کہتے ہیں۔ ان سب کو خداوند عالم نے اپنے اس ارشاد میں یکجا بیان کر دیا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا " (آل عمران) (لوگوں کی مرغوب چیزوں مثلاً عورتوں بیٹوں ہوئے چاندی سے لگے ہوئے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں مویشیوں اور کھیتوں کی محبت اچھی کر کے دکھائی گئی ہے یہی سب چیزیں سرمایہ حیات دنیا ہیں۔"

مقصد اور طریقہ تحصیل پر دنیا کے ممدوح اور مذموم ہونیکا مدار ہے

طریقہ تحصیل اور مقصد کے لحاظ سے دنیا بدل جاتی ہے۔ اختلاف نظر سے دنیا کے اوصاف میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی اسلامی نقطۂ نگاہ سے کئی قسمیں ہو جاتی ہیں۔ دنیا کبھی ممدوح و مستحسن ہوتی ہے اور کبھی قابل مذمت، مال دنیا کبھی فضل خداوندی و امداد الہٰی ہوتا ہے اور کبھی فتنہ و فساد و متاع غرور ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کا ارشاد ہے:۔

دنیا کی دو قسمیں ہیں

الدنیا دنیا آن دنیا دو طرح کی ہے۔ ایک وہ دنیا جو انسان کے لئے کافی ہو۔ اور دوسری وہ دنیا جو بلاغ و دنیا ملعونہ (جامع السعادات) ملعونہ (اور قابل ترک) ہو۔"

قرآن مجید میں دنیا کے ممدوح و مذموم دونوں پہلوؤں کی توضیح کی گئی ہے مذموم پہلو کا تذکرہ جن آیات میں ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:۔

(۱) وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ (وہ جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور ظاہری آرائش اور باہم ایک دوسرے

بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ الآیہ (حدید) | پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانیکی خواہش ہے

(۲) وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ | "اور دنیوی زندگی تو بس فریب کا ساز و سامان ہے"

(۳) اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (تغابن) | "تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہ سب تمہاری آزمائش کے اسباب ہیں"

اگر دنیا و متاع دنیا کا مقصد لہو و لعب۔ کھیل تماشا اسرمایہ داری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں پر فخر و ناز۔ کثرت مال پیدا کرنے میں ناروا مقابلہ و مسابقت ہے تو یہ دنیا کا برا اور بدنما و قابل نفرت رخ ہے۔

مذموم دنیا کی تصویر

جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے قابل مذمت دنیا کی تصویر اس ارشاد میں کھینچی ہے:۔

الدنیا بمنزلۃ صورۃ راسہا الکبر وعینہا الحرص واذنہا الطمع ولسانہا الریاء ویدہا الشہوۃ ورجلہا العجب وقلبہا الغفلۃ ولونہا الفناء وحاصلہا الزوال (لئالی الاخبار ص ۲) | "دنیا بمنزلہ ایک ایسی صورت مجسمہ کے ہے جس کا سر تکبر ہے اور آنکھ حرص ہے کان طمع ہے زبان ریاء ہے اور ہاتھ خواہش نفس اور پاؤں خود بینی و خود پسندی ہے اور دل غفلت ہے اور رنگ فنا اور اس کا حاصل زوال ہے"

دنیا کا قابل مدح پہلو

دنیا کا قابل مدح پہلو جن آیتوں میں مذکور ہے ان میں سے چند آیات یہ ہیں:۔

(۱) فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا | "زمین میں (جہاں چاہو) آؤ جاؤ اور خدا کے

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ) — "فضل (رزق) کی جستجو کرو۔"

(۲) وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (مزمل) — "اور بعض لوگ فضل خدا (رزق) کی جستجو میں روئے زمین پر سفر کریں گے۔"

(۳) وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ ط (نوح) — "اور خدا مال اور اولاد سے تمہاری امداد کرے گا۔ تمہارے لئے باغ بنائیگا"

(۴) اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا (بقرہ) — "شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بری خصلت (بخل) کا حکم دیتا ہے۔ اور خدا اپنی بخشش اور فضل (وسعت رزق) کا وعدہ فرماتا ہے"

(۵) اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ (الآیہ) — "اگر وہ کچھ خیر (مال) چھوڑ جائے تو وصیت کرے الخ"

ان آیتوں میں خدا نے مال دنیا کو اپنا فضل اور اپنی امداد کہا ہے اور "خیر" سے تعبیر کیا ہے اور یہ اس کا مستحق اور قابل مدح رخ ہے جس کو بکثرت احادیث میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

مال صالح | نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ (۱) "کیا اچھا ہے مال صالح مرد صالح کے لئے"

دنیا آخرت کی اچھی مددگار ہے۔

نعم العون على الآخرة الدنیا۔ (۲) "دنیا تحصیل آخرت پر اچھی مددگار ہے۔"

پرہیزگاری کے لئے دولت اچھی مددگار ہے:- (لئالی الاخبار)

(۴) نعم العون علی تقوی اللہ الغنی

"مالداری پرہیزگاری پر اچھی مددگار ہے"

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:-

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ-

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے"

طلب دنیا کے پاک مقاصد ذاتی نفع کیساتھ دوسروں کی منفعت کا خیال

(۵) من طلب الدنیا استعفافاً عن الناس وسعیاً علی اہلہ وتعطفاً علی جارہ لقی اللہ یوم القیامۃ ووجہہ مثل القمر لیلۃ البدر۔ (لئالی الاخبار ص۳۳)

"جو شخص دنیا اس لئے طلب کرتا ہو کہ ذلت سوال سے اپنی آبرو بچائے، اہل وعیال کا تکفل کر سکے اور ہمسایہ پر مہربان ہو تو قیامت میں پیش خدا اس طرح آئیگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا"

کسب دنیا کے اعلیٰ مقاصد-جو اس کو طلب آخرت بنا دیتے ہیں

(۶) قال رجل لابی عبد اللہ واللہ انا لنطلب الدنیا ونحب ان نؤتاھا فقال تحب ان تصنع بھا ماذا قال اعود بھا علی نفسی وعیالی واصل بھا واتصدق بھا واحج واعتمر فقال ابو عبد اللہ لیس ھذا طلب الدنیا ھذا طلب الآخرۃ (لئالی ص۳۳)

"ایک شخص جناب امام جعفر صادق کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم طالب دنیا ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا ہم کو حاصل ہو۔ حضرتؑ نے فرمایا تیرا مقصد کیا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے

عرض کی کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ اپنے نفس اور عیال کو اس سے فائدہ پہونچاؤں اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کیا کروں۔ راہ خدا میں خیرات دوں اور فریضۂ حج بجا لاؤں۔ حضرت نے فرمایا یہ باتیں تو طلب دنیا نہیں ہیں فقط طلب آخرت ہیں۔

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ آدمی کے قصد و نیت کی اصلاح اس کی دنیا طلبی کو عین طلب آخرت بنا دیتی ہے۔ ان دونوں میں فرق و امتیاز کا دارومدار محض قصد و نیت پر ہے۔ اگر کسب دنیا و جمع مال کا مقصد اپنی ذات کے ساتھ اہل و عیال اور دیگر افراد کو فائدہ پہونچانا اور دوسرے امور خیر انجام دینا ہے تو وہ طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔ اور فاضل علامہ نراقی رحمہ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ وہ جو افعال مثلاً کھانا پینا اور ضروریات زندگی میں انہماک بظاہر مفہوم عبادت سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ وہ بھی آدمی کے قصد و نیت کی بنا پر عبادت ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص مال کو اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ دین کی راہ میں خرچ کرے اور ذاتی مصارف سے فاضل مال اخوان مومنین کو مدد پہونچائے۔ تو ایسے آدمی کو مال کی کثرت ضرر رساں نہیں ہے۔

زہد کی تعریف اور اس کی حقیقت

چونکہ ترک دنیا اور زہد کے فضائل و احکام قرآن مجید و احادیث میں بکثرت مذکور ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو دیکھ کر کسی دماغ و دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دنیا اور اس کی طلب کلیۃً شریعت اسلام میں ممنوع ہے لہذا یہ بتانا ضروری ہے کہ زہد کے درجات مختلف ہیں۔ نیز انبیاء و اولیاء اور خاصانِ خدا کے فرائض اور ان کے مناصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے عامۃ الناس سے جداگانہ ہوتے ہیں جن کا اجمالی تذکرہ

اسی مضمون میں دوسری جگہ آئے گا جہاں تک عوام خلق اللہ کا تعلق ہے اون کو جس قسم کے زہد کی ہدایت کی گئی ہے اس کی تعریف اور اس کے حدود کی تعیین بھی صاف طور سے کردی گئی ہے۔

زہد کا حاصل قرآن کے دو کلموں میں ہے جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ

الزھد بین کلمتین من القرآن قال اللہ سبحانہ لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم فمن لم یاس علی الماضی ولم یفرح بالاتی فقد اخذ الزھد بطرفیہ ط

"حقیقت زہد قرآن مجید کے دو جملوں میں ہے خداوند عالم نے فرمایا ہے لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم الخ پس جس آدمی کو گئی ہوئی چیز کا غم نہ ہوگا اور آنے والی شئے کی خوشی نہ ہوگی وہ پورا "زہد" حاصل کرلے گا"

خدا کی طرف سے حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کی مذمت:۔

(۲) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ

"اے ایماندارو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں اون کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے متجاوز ہو۔ خدا حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔"

اس آیت کی شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن جناب رسالتمآب نے اپنی مجلس وعظ میں صحابہ کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا تو اس سے کچھ لوگ بہت متاثر ہوئے اور عثمان بن مظعون صحابی کے گھر میں جمع ہو کر اس بات پر اتفاق کرلیا کہ آئندہ سے دن کو روزہ اور رات کو نماز میں بسر

بسر کریں گے - بستروں پر استراحت نہ کریں گے - گوشت نہ کھائیں گے
بالوں کے موٹے کپڑے پہنیں گے - غرض ترک دنیا اور رہبانیت و فقیری کی
اختیار کرکے دنیا میں پھرتے رہیں گے - جب ان کے اس طرز عمل کی خبر جناب رسالتمآب
تک پہونچی تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے جب وہ اور ان کے
حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا :-

مابال اقوام حرموا النساء و الطیب والنوم و شھوات الدنیا اما انی لست امرکم ان تکونوا قسیسین و رھبانا انہ لیس فی دینی ترک اللحم والنساء ان سیاحۃ امتی الصوم و رھبانیتھا الجھاد الخ (کنز العرفان ص ۳۴۳)

"آخر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھوں نے عورتوں - خوشبو اور نیند - اور دنیا کی دوسری مرغوب چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، میں نے تو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ راہب یا دری اور تارک الدنیا بن جاؤ - میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کرو دینا نہیں ہے - میری امت کی سیاحت (فقیر و بے خانماں زندگی بسر کرنا) روزے رکھنا ہے اور اس کی رہبانیت جہاد ہے"

(۳) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف)

"(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ زینت کی چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے کی پاک چیزیں آخر کس نے حرام کی ہیں ؟"

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے حرام کئے ہوئے

کا حلال قرار دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی حلال کی ہوئی پاکیزہ اشیاء اور اسباب زینت کا حرام کرنا اور ان کے ترک استعمال کا عہد کر لینا بھی ناجائز ہے اس طرح کے عہد یا قسم کا شرعی طور پر انعقاد نہیں ہو سکتا۔

(۴) حضرت امیر المومنین ؑ کا ارشاد ہے :۔

الزّھد فی الدنیا قصر الامل وشکر کل نعمۃ والورع عن محارم اللہ (جامع السعادات ص ۲۳۹)

"زہد فی الدنیا" آرزوئی امیدوں کو گھٹانا ہر نعمت کا شکر ادا کرنا خدا کی جانب سے جو چیزیں حرام کی گئی ہیں اُن سے پرہیز کرنا ہے

مال کو ضائع کرنا یا حلال کو حرام کر لینا زہد نہیں ہے۔

(۵) ان الزھد فی الدنیا لیس باضاعۃ المال ولا تحریم الحلال بل الزھد فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدک اوثق منک بما عند اللہ

(جامع السعادات ص ۲۴۰)

"زہد فی الدنیا" یہ نہیں ہے کہ مال کو ضایع کیا جائے اور حلال کو حرام کر لیا جائے بلکہ معنی زہد یہ ہیں کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تمکو اُن اسباب دنیا پر نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں"

اگر مقصود رضاء خدا ہو تو انسان دنیا و ما فیہا لیکر بھی زاہد ہو سکتا ہے۔

(۶) جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے :۔

ان رجلاً اخذ جمیع ما فی الارض واراد بہ وجہ اللہ

"اگر کوئی شخص روئے زمین کی ساری کائنات لے لے اور اس سے مقصود خدا کی خوشی

فهو زاهد ولو ترك الجميع
ولم يرد به وجه الله فليس
بزاهد
(جامع السعادات ص۳۳ ج۲)

اور رضامندی ہو تو وہ "زاہد" ہے اور
اگر ساری کائنات زمین کو چھوڑ دے
اور رضائے الٰہی اس کی مراد نہ ہو
وہ "زاہد" نہ ہوگا"

حرام سے بچنا زہد ہے

کسی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ "زہد فی الدنیا کیا ہے"؟ تو آپ نے فرمایا تنکب حرامها یعنی حرام دنیا سے منہ موڑنا۔

حاصل کلام یہ کہ دنیا کے ممدوح یا مذموم ہونے کا مدار انسان کی نیت وارادہ پر ہے اگر تحصیل دنیا کے مقاصد انسانیت کے اعلیٰ مقاصد ہیں تو قابل مدح اور وسیلۂ آخرت ہے اور اگر مقاصد کسب دنیا پست نظری پر مبنی اور محض نفسانی اغراض تک محدود ہیں اور ان سے حیوانی جذبات کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد اعلیٰ پیش نظر نہیں تو قابل مذمت ونفرت ہے۔

علامہ مجلسی نے اسی حقیقت کو نہایت خوبی سے واضح فرمایا ہے:-
"ظاہر آیات واحادیث سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ مذموم دنیا چند امور سے مرکب ہے (اول) یہ کہ وہ خدا کی فرماں برداری ومحبت اور تحصیل آخرت سے مانع ہو جو چیزیں اسباب دنیا میں سے خدا کی رضامندی اور اس کے تقرب کا باعث ہوں ان کا شمار امور آخرت میں ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ دنیوی اعمال میں سے ہوں جیسے تجارت۔ صنعت زراعت جبکہ ان سے مقصود یہ ہو کہ عیال کے لئے سامان معیشت

حاصل کیا جائے کیونکہ خدا نے اس پر مامور فرمایا ہے اور نیک کاموں میں مال خرچ کرنا۔ محتاجوں کی اعانت۔ غریبوں پر خیرات کرنا۔ ذلت سوال سے اپنی آبرو کو بچانا مقصود ہو یا ایسے ہی دوسرے اعلیٰ مقاصد پیش نظر ہوں۔ ان صورتوں میں یہ تمام کام اعمال آخرت بن جائیں گے اگرچہ عوام خلق اُن کو کار دنیا ہی شمار کرتے ہیں۔

(دوم) بدعتی لوگوں کی ایجاد کردہ ریاضتیں اور ریاء و نمائش کے اعمال کار دنیا ہی ہونگے اگرچہ راہبانہ طریقوں پر اور طرح طرح کی مشقتوں سے کئے جائیں اس لئے کہ ایسے ریاکاروں کے نمائشی اعمال خدا سے دور کرتے ہیں۔ موجب قرب خدا نہیں ہو سکتے۔ اکثر راہبانہ طریقہ پر بڑے عال سے زندگی بسر کرنے والے انسانی صحبتوں سے الگ تھلگ رہتے اور رات کو خدا کی عبادت کرتے ہیں مگر بڑے دنیا پرست محبت دنیا میں گرفتار ہوا کرتے ہیں۔ اُن کی جوگیانہ زندگی کا مقصد عوام الناس کو فریب دینا اور زہد و ورع میں شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عوام الناس کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنا اُن کا دلی مدعا ہوتا ہے۔ مال و جاہ و عزت اور امور باطلہ کی ہوس اُن میں تمام خلق سے بیشتر ہوا کرتی ہے۔ ایسے ظاہر اور نمائشی ترک دنیا کو دنیا طلبی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور اسی ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیلتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ اور محنت مزدوری کرنے والے لوگ جن کو عوام الناس کسی شمار میں نہیں لاتے آخرت کے جویا ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نیت درست ہوتی ہے۔ اور دنیا کی محبت نہیں رکھتے۔

خلاصۂ کلام اس بارے میں یہ ہے کہ حسن وقبح اشیاء کے علم کا معیار اور یہ جاننے کا ذریعہ کہ کس کام کا کرنا واجب ہے اور کس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ شریعت مقدسہ ہے (یعنی قرآن و احادیث نبویہ) اور اہلبیت عصمت علیہم السلام کے ارشادات ہیں۔ پس آیات و احادیث سے جس امر کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور وہ مطلوب الٰہی ہے تو وہ عبادت ہے عام اس سے کہ وہ نماز روزہ و حج ہو یا تجارت و زراعت و صنعت و حرفت ہو۔ خلق کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرنا یا تنہائی کی زندگی گزارنا یا ان سب کے علاوہ اور کوئی بات (چونکہ یہ سب امور مطلوب خدا ہیں لہٰذا عبادت ہیں) اور خالص نیت کے ساتھ آداب و شرائط کے ماتحت ان کو زیر عمل لانا کار آخرت ہوگا۔ اور جو باتیں خدا کی مطلوب نہیں ہیں اور ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے تو وہ دنیا کے مذمومہ ہیں جو خدا و آخرت سے دور کرتی ہیں۔ ایسی چیزوں کی کئی قسمیں ہیں:-

(اول) حرام جس پر عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے خواہ وہ اپنی ایجاد کردہ عبادت ہو (جس کو بدعت کہتے ہیں) یا وہ عبادت جس میں ریاکاری اور شہرت طلبی شامل ہو۔ یا ظالموں کے ساتھ معاشرت رکھنا۔ یا حرام مناصب اور عہدے پر کام کرنا یا مال کو حرام ذریعہ سے یا حرام کی غرض سے حاصل کرنا اور ایسے ہی دیگر امور جو باعث استحقاقِ عقاب خداوندی ہوں۔

(دوم) مکروہ۔ اور وہ ایسے افعال و اعمال اور اس طرح سے وسائلِ کسب معاش ہیں جو وسیلۂ تحصیل آخرت نہ ہوں اور آخری سعادتوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوں۔ مثلاً ضرورت سے زائد مال و متاع۔ زائد از حاجت مسکن اور سواریاں اور اسی قسم کی چیزیں (غیر ضروری اثاث البیت وغیرہ)

(سوم) مباح۔ مثلاً ایسے اعمال جن کا صاحب شرع نے حکم نہ دیا ہو نہ اُن سے منع فرمایا ہو بشرطیکہ تحصیل آخرت سے مانع نہ ہوتے ہوں اور اکثر مباح امور کو ایسے طریقے اور نیت سے واقع کرنا ممکن ہے جس سے وہ عبادت میں داخل ہو جائیں مثلاً کھانا۔ سونا۔ اس ارادہ سے کہ عبادت کرنے کی قوت حاصل ہو۔ اور مباحات کو اس خیال سے ترک کرنا کہ (یہ ترک مباحات) عبادت ہے بدعت ہو جاتا ہے۔ اور جہنم میں داخلہ کا باعث ہوتا ہے۔ بہت سے بدعتی لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں

انسان دولت کمانے اور خرچ کرنے میں پیش خدا مسئول ہوگا۔

ان تمام شواہد سے ظاہر ہوا کہ اسلام ایک ایسا مذہبی نظام ہے جو انسان کی دنیا و آخرت اور جسمانی و روحانی دونوں حصول کو ایک سلسلہ میں مرتبط اور باہم وابستہ کر دینا چاہتا ہے۔ روحانی جذبات اور اخلاقی احساسات کو ابھارنا دین کے معاشی نظریات کی بنیاد ہے اس اصول کے ماتحت لازم تھا کہ انسان کو اس بات کا مسئول اور جوابدہ قرار دیا جائے

کر اوس نے کس طریقہ سے مال کی تحصیل کی اور اوسے کس مصرف میں صرف کیا؟

حدیث نبویؐ ہے کہ

لا تزول قدم عبد یوم القیامۃ حتی یسئل عن اربع

"جبتک بروز قیامت چار باتوں کی بابت سوال نہ کر لیا جائیگا کسی قدم کو ہٹنے نہ دیا جائیگا"

(ینابیع المودۃ)

منجملہ اُن چار باتوں کے دو یہ ہیں :۔

عن مالہ مما اکتسبہ وفیما انفقہ "مال کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا"

(ینابیع المودۃ)

نیز یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہے کہ دنیا کی پیداوار میں کون سی چیزیں انسان کے لئے مناسب و نافع اور کون سی غیر مناسب اور باعث ضرر ہیں۔ کن اشیاء اور کن طریقوں سے انسان کے جذبۂ خدا پرستی اور احساسات اخلاقی کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور کن سے اُن میں کمزوری و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ کسب مال و سرمایہ کمانا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ دوسری طرف کسب مال کے طریقے معین کرتا اور حدود قائم کرتا ہے جن کے اندر مندرجہ بالا مقصد کا حاصل ہونا منحصر ہے نیز قابل استعمال اور قابل پرہیز اشیاء کو بیان کرتا ہے۔ تیسری جانب مدات خرچ کی تشریح کرتا ہے اور وہ حدود انفاق بتاتا ہے جو عقلاً اور فطرۃً ضروری اور اعلیٰ مقصد زندگی کے مطابق ہیں۔ ان امور کے متعلق اسلامی تعلیمات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جن کا اس مختصر مضمون میں جمع کر دینا دشوار ہے۔ لہذا صرف چند نشواہد پر اکتفا کرنا اگزیر ہے :۔

اسلامی نظام معیشت کا دو جملوں میں خلاصہ "پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو" اسلام نے

عالم انسانیت کو جو وسیع نظام بتایا ہے ان کا خلاصہ صرف دو جملوں میں کر دیا ہے۔

(۱) کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (مومنون)

"پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے اچھے کام کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں"

اس آیت میں خدا کا وہ پسندیدہ نظام معیشت بتایا گیا ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے دنیا میں بھیجا جاتا رہا ہے اور وہ دو اصول میں منحصر ہے۔ "پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو" اس اصول سے ظاہر ہے کہ شریعت الٰہیہ کا مقصد مادیت و روحانیت کے امتزاج کو حد اعتدال پر رکھنا اور ہر ایک کے جائز و مناسب تقاضا کو پورا کرنا ہے۔ انسان کے ایسے مجموعۂ روحانیت و جسمانیت کے لئے اس سے بہتر و مناسب فطرت کوئی اور اصولِ معیشت نہیں ہو سکتا۔ دنیوی نعمتوں سے لذت یابی و مسرت اندوزی کے ساتھ پُر امن اور سکون و اطمینان کی زندگی صرف اسی اصول پر عمل کرنے سے مل سکتی ہے۔

ممکن ہے کہ جو نظام معیشت "ہر چیز کھاؤ" "ہر طرح کماؤ" "جو چاہو کرو" کے اصول پر مرتب کیا گیا ہو اس میں وقتی منافع زیادہ نظر آتے ہوں۔ مگر اُن کی تہہ میں نوع انسانی کی تباہی و ہلاکت پوشیدہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں ایسی چیزوں کے استعمال کی آزادی ہوگی۔ جو امراض جسمانی کا مبدا و منبع ہیں یا حیوانی قوتوں کو ابھار کر اعتدال طبعی کے حدود سے خارج کرتی اور امراض بدنی و اخلاقی و روحانی کا باعث ہوتی ہیں۔ نیز اس میں غرور۔ خود نمائی۔ بے جا تعیش۔ فضول عشرت پسندی۔ نخوت۔ کبر و غرور کے مواد کو برانگیختہ ہونے سے روکنے کی کوئی

تدبیر نہ ہوگی مساوات و ہمدردی اور باہمی مواسات کے رشتوں اور مذموم سرمایہ داری کی حرص و ہوس کو قوی کرنے والے اسباب موجود ہوں گے۔ ایسی صورتوں میں زندگی کے پُر امن و سکون ہونے کی توقع محض خیال ہوگی۔ ایسے نظامات سے ممکن ہے کہ وقتی منفعت حاصل ہو مگر عام انسانی دنیا کا فلاکت و مسکنت کے قعرِ ہلاکت میں پڑ جانا اون کا یقینی انجام ہے۔ ایسے ہی اصول و نظریاتِ معاشی کی بدولت ہمارے سامنے عالم انسانیت کو ایٹم بم کے خطرات درپیش ہیں اور آئندہ خدا جانے کتنے تباہ کن اسباب کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حدیث نبوی میں ہے :—

قال اللہ عز وجل من لم یبال من ای باب اکتسب الدینار والدرھم لم ابال من ای ابواب النار ادخلتہ (بحار)

"ارشاد خداوندی ہے کہ جو آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دینار و درہم کس دروازے سے کماتا ہے تو میں بھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ اوس کو کن دروازوں سے داخل جہنم کرتا ہوں"

کیا ان مشاہدات و تجربات کے بعد بھی اس بات میں شبہہ باقی رہ سکتا ہے کہ نخلِ انسانیت کے پھولنے پھلنے کے لئے صرف چمنِ اسلام ہی کی معتدل آب و ہوا سازگار ہو سکتی ہے؟

(۳) اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ (ملک)

"اگر خدا اپنے فیض رزق کو بند کر دے تو ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے گا"

(۳) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ط (ہود) — "اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی کا انتظام خدا کے ذمہ نہ ہو"

(۴) اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ط (ذاریات) — "خدا بڑا روزی رساں صاحب قوت (اور) زبردست ہے"

(۵) فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (جمعہ) — "جب نماز ہو چکے تو زمین میں ادھر ادھر (جہاں چاہو) جاؤ اور خدا کا فضل (روزی) تلاش کرو"

(۶) اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ط (عنکبوت) — "خدا کو چھوڑ کر تم جن ہستیوں کی پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق پر کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ لہذا اللہ ہی سے روزی مانگو اور اسی کی عبودیت اختیار کرو اسکا شکر بجا لاؤ اسی کی طرف بالآخر تم کو لوٹنا ہے"

ان آیات میں چند باتیں بتائی گئی ہیں:-

(اول) رزق و معیشت و اسباب معیشت خدا کا عطیہ اور فضل و بخشش ہے بلکہ ہر جاندار کی پیدائش کے ساتھ خدا نے اوس کے رزق کا سامان بھی پیدا کیا ہے لہذا اس کو خدا کی دین سمجھنا چاہیئے نہ کہ صرف اپنے علم و تدبیر کا ثمرہ و حاصل یہ خیال ملحدانہ ہے اور بخل و حرص سرمایہ داری کی بنیاد یہی خیال ہے۔ اسی کی بنا پر دولت و اسباب معیشت میں خدا کے حقوق مالکانہ سے انکار کی جرأت ہوتی ہے۔ عہد جناب موسیٰ کا مشہور عالم سرمایہ دار قارون اپنے مال میں سے حقوق خدا ادا کرنے

سے اسی لئے منکر ہوا تھا کہ وہ اس کو اپنا مال اور اپنی علمی تدابیر کا حاصل تصور کرتا تھا۔ جیسا کہ خود قرآن مجید اس کی حکایت کرتا ہے:۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ " اس نے کہا کہ یہ مال و متاع تو صرف اوس علم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو میرے پاس ہے "

(دوم) اگرچہ روزی رساں خدا ہے۔ ہمارے رزق کا وہ ذمہ دار ہے اسباب معیشت کے ذخیرے اوس نے ہمارے لئے جمع کر لئے ہیں مگر تلاش و جستجو۔ سعی و محنت بھی شرط ہے۔ تقدیر کے بھروسہ پر تدبیر سے دست کش نہ ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے رزق کا ہم تک پہونچنا ہماری سعی و جستجو ہی کے ذریعہ سے مقدر ہو اور فضل خدا کا ملنا ہماری محنت اور طلب پر موقوف رکھا گیا ہو۔

زمین اور اوس کی پیداوار میں تمام انسانوں کا حق برابر ہے

(سوم) اسباب رزق عطیہ ربانی و فضل خداوندی ہیں اور بنی آدم خدا کے مخلوق اور بندے ہیں۔ عبودیت و مخلوقیت کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ لہٰذا اسباب معیشت میں بھی سب کا حق برابر ہے۔

اس مطلب کی دوسری آیتوں میں پوری تصریح کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں!۔

(پہلی آیت) وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۔ (حم سجدہ) وہ خدا ہی نے زمین میں اوس کے اوپر پہاڑ قائم کر دیئے اور اسی نے اوس میں برکت عطا کی اور اسی نے مناسب انداز میں سامان معیشت کا بندوبست فرمایا یہ سب چار اوقات (چار فصلوں) میں کیا (وہ بندوبست سامان معیشت) تمام طلبگاروں کے لئے برابر ہے

تفسیر قمی میں مذکور ہے کہ "اربعۃ ایام" سے مراد چار اوقات اور فصول، یعنی جاڑا، گرمی، بہار و خزاں ہیں۔ تمام اسباب معیشتِ انسان و حیوان کی پیداوار انھیں فصول و اوقات میں ہوتی ہے اور ان کے تغیرات و انقلابات کو ان اسباب کی پیدائش میں پورا دخل ہے۔

اور "للسائلین" سے مراد تمام خلق اللہ ہے جو رزق کی محتاج ہے اور کم سے کم بزبان حال اپنی روزی کی طلبگار ہے۔ لہذا سامان معیشت میں تمام خلائق کا حق برابر ہے کسی کو دوسرے پر حق فطری کے اعتبار سے ترجیح و فضیلت نہیں

(دوسری آیت) وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (نحل)

"خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (مال و دولت) میں فضیلت و زیادتی عطا کی ہے پھر (کیا) وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں کو جن پر اُن کا دسترس ہے دینے والے نہیں (حالانکہ) اس میں تو سب کے سب برابر ہیں، تو کیا یہ لوگ نعمت خدا منکر ہیں۔؟"

قدرت الٰہیہ براہ راست کسی انسان کے پاس خوان نعمت و سامان رزق نہیں بھیجتی بلکہ طبعی طور پر ایک کو دوسرے سے رشتۂ احتیاج و ضرورت میں وابستہ کر دیا ہے۔ اور ایک شخص کی روزی کو دوسرے کے ذریعہ مقدر فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ خدا کو یہی بات پسند ہے کہ ایک فرد انسان کا وسیلۂ رزق دوسرے فرد انسان کو بنائے اور اسی مصلحت سے نظام اجتماعی کے اندر زندگی بسر کرنے کا حکم

دیا ہے۔ اور راہبوں اور جوگیوں کی طرح پہاڑوں جنگلوں میں تمدن سے الگ تھلک زندگی گزارنے کا طریقہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اسلامی طریقے کے خلاف ٹھہرایا ہے۔

اس قسم کے فطری نظام معیشت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے لئے بظاہر وسیلۂ معاش ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کو ان کا رازق تصور کرنے لگتے ہیں اور ان کو اپنے سے پست درجہ خیال کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس فاسد خیال کو دل و دماغ میں جگہ پانے سے روکا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم اپنے کو ان کا رازق نہ جانو۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری فضیلت زیر دستوں پر بس اس قدر ہے کہ تم کو اپنی شان رزاقیت کا ذریعہ قرار دیا ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اور تمہارے ہی بھائی ہیں۔ لہذا تمہیں ان سب کو اسباب معیشت میں برابر رکھنا چاہیے۔

زبدۃ البیان اور بیلی رح میں ہے :۔

ای کان ینبغی ان یردّ واما رزقوا علی ما ملکھم حتی یتسا ووا فی الملبس والمطعم کما یحکی عن ابی ذر رض انہ سمع رسول اللہ صلعم یقول انما ھم اخوانکم فاکسوھم مما تلبسون واطعموھم مما تطعمون فما رأی

"یعنی انھیں یہ چاہئے تھا کہ اپنے مال و دولت میں سے اپنے زیر دستوں کو دیتے تاکہ لباس و خوراک میں آقا و غلام سب کے سب برابر ہو جاتے۔ ابوذر رض سے متعلق روایت ہے کہ جب انہوں نے حضرت رسالتمآب کو یہ فرماتے سنا کہ تمہارے غلام تمہارے

عبدہ لحلو ذلک الا ساداتہ
سماواتہ واذا رہ اذا سارہ
غیر تفاوت افبنعمۃ اللہ یجحدون
فجعل عدم التسویۃ من جملۃ
جحود النعمۃ علی سبیل المبالغۃ
ففیھا دلالۃ علی استحباب
التسویۃ بین نفسہ وعیالہ
ویدل علیہ ایضا الاخبار
مثل ما تقدم ویدل علی ابلغ
ذلک ما روی عن امیر المومنینؑ
انہ کان یشتری ثوبین یعطی
افضلھا القنبر ویاخذ الاردی
لنفسہ۔

کھائی ہیں ان کو وہی کپڑا پہناؤ جو خود
پہنتے ہو اور وہی غذا کھلاؤ جو خود
کھاتے ہو۔ تو اس دن سے اُن کے
اور اُن کے غلام کے لباس میں کوئی فرق
واقعیاً نہیں دیکھا گیا۔ قول الٰہی:-
"افبنعمۃ اللہ یجحدون" یہ ظاہر
کرتا ہے کہ خدا نے نادار لوگوں کی طرف
سے زیر دستوں کو رزق میں برابر حصہ
نہ دیئے جانے کو کفران نعمت قرار
دیا ہے۔ اور یہ دلیل ہے اس امر کا
کہ اپنی ذات اور عیالوں کے درمیان
برابری قرار دینا مستحب ہے اور
اس پر حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں۔

اُن میں سے وہ حدیث بھی ہے جو پہلے گزری۔ اور اس سے زیادہ
بہتر سلوک پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ جناب امیرؑ دو لباس
خریدتے تھے اور جو بہتر اور اعلیٰ ہوتا تھا وہ قنبر کو مرحمت کرتے تھے اور
اور جو ادنیٰ درجہ کا ہوتا تھا وہ اپنے لئے رکھ لیتے تھے"

(تیسری آیت) ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (بقرہ ۵)

(۳) زمین میں جو کچھ ہے اُس کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے"

(چوتھی آیت) وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (حجر)

"اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس پر پہاڑ قائم کئے اور اس میں ہم نے ہر قسم کی مناسب چیز لگائی اور تمہارے لئے زندگی کے ساز و سامان ہم نے زمین ہی میں قرار دیئے اور اُن کے لئے بھی جن کے روزی رساں تم نہیں ہو"

(پانچویں آیت) وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ

"خدا ہی نے زمین خلائق کے نفع کے واسطے بنائی۔"

(چھٹی آیت) وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (نازعات)

"اس کے بعد زمین بچھائی اس سے پانی کے چشمے اور سبزہ زار نکالے اور پہاڑوں کو اس میں گاڑ دیا۔ تمہارے لئے اور تمہارے چارپایوں کے لئے سامان معیشت مہیا کرنا اس کی غرض و غایت ہے"

(ساتویں آیت) لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

"تمہارے واسطے زمین میں قرارگاہ (وطن) اور سامان زندگی ہے"

(آٹھویں آیت) وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ

"تم کو ہم نے زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے اس میں سامان معیشت قرار دیا"

ان آیات میں مندرجہ ذیل امور بتائے گئے ہیں:-

(اول) زمین انسان کے لئے وطن اور محل معاش و رزق ہے۔ وسائل معاش

زمین کی پیداوار ہی سے متعلق ہیں۔ خدا نے انسان و حیوان کے رزق کا مبداء و مخزن زمین کو قرار دیا ہے۔

(دوم) زمین کی سب چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ وہی ان کی علت غائی ہے اون کی پیدائش کا مقصد حاجۃ انسانی کو رفع کرنا ہے۔ لہذا وہ کسی فرد کی ملک خاص نہیں ہو سکتیں بلکہ اون کو خدا نے تمام افراد انسانی کے لئے مباح قرار دیا ہے۔ سب کے حقوق انتفاع اون میں برابر ہیں اون کو آدمیوں کی حاجات میں یکساں تقسیم ہونا چاہیئے جو حق تصرف زمین کی پیداوار میں ایک فرد کو ہے وہی دوسرے افراد کو بھی قدرت نے عطا فرمایا ہے۔ حق تصرف و انتفاع میں تفاوت و اختلاف بالکل نہیں اور نہ تحصیل اسباب معیشت کے حق میں مذہب و ملت قوم و نسل کا امتیاز منشاء خالق ہے۔ محقق اردبیلی تفسیر زبدۃ البیان

پیداوار زمین بغیر امتیاز ایمان و کفر سب کے لئے مباح ہے۔

فیمکن الاستدلال بھا علی اباحۃ اکل کل ما فی الارض لکل احد حتی الکفار والعصاۃ الا ما اخرجہ الدلیل من العقل والنقل۔

"آیہ مبارکہ سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ زمین کی ہر پیداوار کا کھانا ہر انسان کے واسطے یہاں تک کہ خدا کے منکروں اور نا فرمانبرداروں کے لئے بھی مباح ہے اس اصول سے استثناء اونھیں اشیاء کا ہوگا جنکو دلیل عقل و نقل حکم اباحت سے خارج کرتی ہے"

اسلامی نظام معیشت

کا یہ وسیع النظری اپنی آپ نظیر ہے۔ دنیا کے اقوام و ملل و مذاہب اسکی مثال

جنس نہیں کرسکتے اس پر بنی نوع انسان کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل شاہد ہے

وہ پیداوار زمین مباح الاصل ہے جو ذریعہ معاش انسانی بن سکتی ہے:۔

(سوم) جیسا کہ محقق اردبیلی نے ارشاد فرمایا ان آیات سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ زمین کی وہ چیزیں جو انسان کا رزق اور ذریعہ معاش بن سکتی ہیں اور اُن کی تحصیل کے طریقے مباح الاصل ہیں۔ ہر انسان کو اُن کی استعمال کا حق ہے۔ سوا اُن چیزوں اور طریقوں کے جن کو عقلی و نقلی دلیلیں حکم اباحت سے خارج کرتی ہیں۔ اور ایسی چیزیں اور ایسے طریقے جن کو عقل و نقل دونوں قابل استعمال قرار نہیں دیتیں۔ بہ نسبت مباح و قابل استعمال اشیاء اور طریقوں کے بہت کم ہیں اس لئے انسان کی معیشت دنیوی بغیر کسی تنگی کے سدھر سکتی ہے حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

وَمَا احل لکم اکثر مما حرم علیکم فذروا ما قل لما کثر۔ (نہج البلاغہ)	"جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں وہ ان چیزوں سے بہت زیادہ ہیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں لہذا اکثیر کے واسطے قلیل یعنی حرام کو ترک کر دو"
(۹) یَا اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ (بقرہ)	"اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اُس سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"
(۱۰) کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ	"ہم نے جو پاک سامان رزق تم کو دیا

وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۔ الآیہ (طٰہٰ)

اُس میں سے کھاؤ اور حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔

چونکہ معیشتِ دنیوی کی سب سے اہم شرط انسان کے لئے غذا ہے اس لئے اکثر آیات میں "اکل" یعنی کھانے کا تذکرہ ہے۔ مگر اُس سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ ہر قسم کا انتفاع اور عام تصرف ہے اور مقصد یہ ہے کہ دنیا کی اُن چیزوں میں جو انسان کے لئے اسبابِ معیشت بن سکتی ہیں پاکیزہ اور حلال کا انتخاب کرنا چاہیئے انتفاع اور تصرف کے لئے پاکیزہ و حلال اشیاء اور پاک و حلال طریقے اختیار کرنا انسانی فریضہ ہے۔ ان آیات سے چند نتائج ظاہر ہوتے ہیں:۔

(۲ دل) زمین کی پیداوار اور اس کے انتفاع کے طریقوں کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) وہ چیزیں اور انتفاع کے وہ طریقے جو انسان کے مناسبِ فطرت و موافق طبع ہوں۔ اُن سے نہ جسمانی مضرت کا خطرہ ہو نہ اخلاقی و روحانی عنصر کو فساد کا اندیشہ ہو۔

(دوم) وہ اشیاء اور وہ طریقِ اکتساب و انتفاع جو مذکورۂ بالا اوصاف کے خلاف ہوں۔

قسم اول کی اشیاء اور اکتساب کے طریقے "حلال و طیب" کہے گئے ہیں۔ اور قسم دوم کی اشیاء اور طریقِ اکتساب و انتفاع کو خبیث و حرام قرار دیا ہے اور اُن کے استعمال کو اتباعِ شیطانی سے تعبیر فرمایا ہے۔

آیہ مبارکہ "حلالاً" کے بعد "طیباً" کی تکرار یہ بتانے کے لئے ہے کہ اُن اشیاء اور طریقوں کے حلال قرار دیئے جانے کی علت اُن کا "طیب" یعنی موافق

فطرت و مناسب طبع انسان ہوتا ہے اور جو اشیاء اور طریقے "حرام" کئے گئے ہیں ان کی وجہ تحریم یہ ہے کہ ان کے صفات اوصاف مذکورہ کے خلاف ہیں۔

حلال و حرام کا کلّی اصول۔ وہ چیزیں اور کسب معاش کے وہ طریقے حرام ہیں جن سے بدن و روح میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں حلال و حرام کے معیار کو اصول کلی کے طور پر بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

کل امر یکون فیہ الفساد مما قد نھی عنہ من جھۃ اکلہ و شربہ ولبسہ ونکاحہ لوجہ الفساد مثل المیتۃ و الدم ولحم الخنزیر والزنا وجمیع الفواحش ولحوم السباع والخمر وما اشبہ ذلک فحرام ضارٌ للجسم وفساد للنفس (بحار جلد ۲۳ باب المکاسب)

"ہر وہ امر جس میں کوئی وجہ فساد و خرابی کی ہے اُسی کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے اس لئے کہ اُس کے کھانے پینے پہننے اور اُس سے ازدواجی تعلقات پیدا کرنے میں وجہ فساد موجود ہے مثلاً مردار۔ خون۔ سور کا گوشت۔ زنا اور تمام بدکاریاں۔ درندوں کے گوشت۔ شراب۔ اور اسی قسم کی دوسری اشیاء تو وہ حرام ہیں اس لئے کہ وہ جسم کے واسطے باعث ضرر۔ اور روح میں فساد پیدا کرنے والی ہیں۔ (اور جو چیزیں ایسی نہیں ہیں وہ حلال ہیں)۔"

جناب شیخ مقداد کنز العرفان میں لفظ "طیب" کے متعلق لکھتے ہیں:

لفظ "طیب" کے معانی "الطیب" یقال لمعانٍ "لفظ طیب" کئی

الاول ما هو مستلذ والثانی ما احلہ الشارع الثالث ما کان طاهراً الرابع ما خلا عن الاذی فی النفس والبدن ط (کنز العرفان ص۳۶۱)

میں مستعمل ہوتا ہے (اول) وہ چیز جو لذیذ ہو (دوم) وہ چیز جس کو شارع نے حلال قرار دیا ہے (سوم) وہ چیز جو پاک ہے (چہارم) وہ چیز جو روح و بدن میں بیماری و اذیت نہیں پیدا کرتی"

حدیث بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع کی طرف سے حلال و طاہر قرار دیئے جانے کی وجہ وہی بات ہے جو شیخ مقداد نے آخر میں کہی ہے اور آپ کے بیان کئے ہوئے چاروں معانی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظ "طیبب" ان سب کو شامل ہے۔

اسلام کے نزدیک معاشیات تابع اخلاق ہیں نہ کہ اخلاق تابع معاشیات

(سوم) پاکیزہ چیزوں کو کھانے کا حکم دیتے ہوئے یہ فرمان نافذ کرنا کہ "لا تطغوا فیہ" (یعنی طغیان نہ کرو حدود مقررہ سے آگے نہ بڑھو) اس حقیقت کی پوری توضیح کے لئے کافی ہے کہ اسلام معاشیات کو تابع اخلاق بنانا چاہتا ہے۔ اخلاق کو تابع معاشیات بنانا اوس کے نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔ اور یہی اصول یعنی معاشیات کو تابع اخلاق بنانا اوس کے نظام معاشی کا بنیادی اصول ہے۔

ارشاد ربانی "لا تطغوا فیہ" کا حاصل یہ ہے کہ کسب معاش و طلب رزق کے وہ طریقے انسان کے لئے حرام قرار دیئے گئے ہیں جن سے طغیان لازم آتا ہے دوسرے مقام پر فرمایا ہے "اِنَّ الاِنسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ" یعنی انسان جبکہ اپنے کو غنی و سرمایہ دار پاتا ہے تو طغیان و سرکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے

یہ "طغیان" کسبِ دولت و مال میں بھی ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد بھی۔ خدا کے مقرر کردہ حدود شرعیہ سے باہر نکل کر کسب معاش کرنا "طغیان" ہے۔ اسی طرح خدا کو بھول جانا اوس کے حدود شرعیہ کی مخالفت کرنا۔ حقوق مستحقین کو روکنا۔ کم مایہ اور غریب لوگوں پر تکبر و فخر کرنا اون کے مقابلہ میں شانِ جباری دکھانا طغیان ہے۔

معاشی معاملات میں باہم تعاون و اشتراک عمل نہ کرنا۔ نظام تمدن میں ابتری پھیلانے والے طریقے اختیار کرنا۔ اپنے مالی فائدہ کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانا، اپنے ذرائع کسب مال و دولت کو وسیع کرنے میں دیگر افراد کے لئے معاشی تنگی کے اسباب پیدا کرنا، مفلس کے افلاس و ناداری و اوس کی اضطراری حاجات سے فائدہ اٹھانا اور محتاجوں و ضرورتمندوں کی احتیاج و ضرورت سے غنیمت موقع پاکر ایسے شرائط منظور کرانا جو سرمایہ داری میں اضافہ کے ساتھ مفلس کی افلاس و ناداری کو بڑھاتے ہیں اور محتاج کو محتاج تر کرتے ہوں "طغیان" ہیں۔ محتاجوں کے حق کو روکنا تکبر و فخر کرنا شان و جبروت دکھانا، سرکشی و فساد انگیزی کرنا غرض تمام وہ طریقے اور خصلتیں "طغیان" ہیں جس سے اخلاق کے فطری سرمایہ کی بربادی اور روحانیت کا فساد لازم آتا ہو۔ انفرادی منفعت کے لئے اجتماعی مفاد کے نظام کی خرابی اون کا انجام ہو۔ اسی طرح خدا کے عطیات و نعمات میں مناسب فطرت تصرف سے روکنا قدرتی اشیاء کے موافق طبع استعمال کی ممانعت کرنا۔ معاشی میدان عمل کو تنگ کرنا ایسے قیود لگانا جن سے فطرت کی دی ہوئی جسمانی و دماغی صلاحیتوں سے کام لینے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو۔ یا اپنی محنت و سعی عمل کے ثمرات سے منتفع ہونے کا حق سلب ہوتا ہو "طغیان" ہے۔

مختصر یہ کہ عقل و شرع و فطرت کی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھ جانا "طغیان" ہے۔ خواہ یہ آگے بڑھ جانا کسی جانب ہو۔

آیۂ مبارکہ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے "طغیان" کا انجام غضب خدا کا نزول اور سراسر تباہی و ہلاکت ہے۔ جس نظام معیشت کی بنیاد طغیان پر ہوگی وہ غضب الٰہی کو دعوت دے گا۔ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہی ایک آیت یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کا مخالف ہے سرمایہ دارانہ اصول معیشت کو برداشت نہیں کرتا۔ ساتھ ہی اوس کے اون تمام نظامات کا بھی مخالف ہے جن میں انسان کے فطری حقوق کے متعلق بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں

کسبِ معاش کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں

شرع اسلام نے طلب معاش اور اوس کے وسائل کی تلاش کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ مفسر علامہ شیخ مقداد نے مختصر و جامع الفاظ میں اون سب کا بیان کر دیا ہے:-

ثم الطلب للرزق ینقسم بانقسام الاحکام الخمسۃ واجب و ھو ما اضطر الانسان الیہ ولا جھۃ لہ غیرہ و ندب و ھو ما قصد بہ فی المال للتوسعۃ علی العیال واعطاء	"طلب رزق کی باعتبار حکم شرعی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) واجب۔ جبکہ انسان طلب رزق پر مجبور و مضطر ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت اس کے لئے نہ ہو۔ (۲) ندب (یعنی مستحب) جبکہ مقصود مال میں وسعت پیدا کرنے سے یہ ہو کہ

الحی ویجمع والا فضال علی الغیر
ومباح وھو ما قصد بہ جمع
المال الخالی عن جھۃ منھی عنھا
ومکروہ وھو ما اشتمل علی
ما ینبغی التنزہ عنہ حرام
وھو ما اشتمل علی جھۃ قبیح -
(کنز العرفان)

عیال کے لئے معاشی وسعت پیدا ہو جتا جو
کو دے اور غیروں پر تفضل کرے -
(۳) مباح - جس سے مقصود مال جمع کرنا
ہو - ایسے طریقے سے جس سے شریعت نے
منع نہ کیا ہو - (۴) مکروہ - جو ایسے
ناپسندیدہ طریقوں سے ہو جس سے
پاک و صاف رہنا ہی مناسب ہے -
(۵) حرام کسی برے پہلو پر مشتمل ہو"

(۱) لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا
مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ
اَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (مائدہ)

"جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام
کئے انھوں نے جو کچھ کھایا (پیا) اس میں
کچھ گناہ نہیں - جبکہ انھوں نے پرہیزگاری
کی اور ایمان لے آئے - اور اچھے اچھے
کام کئے پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لائے
پھر پرہیزگاری کی اور نیکیاں کیں اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان رکھتا ہو اچھے
کام کرتا اور محرمات سے بچتا ہو تو پھر دنیا کی نعماتِ الٰہیہ سے منتفع ہونے میں اسکے
لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے -

تذکرۂ ایمان و تقویٰ و صلاح کاری میں تکرار کی مصلحت

تذکرہ ایمان و تقویٰ
صلاح عمل و احسان کی تکرار انسانی حالات و معاملات کی جانب ناظر ہے -

آدمی کا معاملہ اپنے نفس سے ہے خدا سے ہے اور بندگانِ خدا سے بھی۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمات دنیا سے انتفاع میں ہر آدمی کو ان تینوں حالات و معاملات کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو مندرجہ ذیل آیتوں میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔

(پہلی آیت) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ (منافقون)

"اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو یادِ خدا سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹے میں رہیں گے اور ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (دوسرے حاجتمند لوگوں پر) خرچ کرو۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے اور وہ یہ کہنے لگے کہ پروردگارا! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرتا اور اچھے کام کرنے والوں میں داخل ہو جاتا۔

(دوسری آیت) رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور)

"ایسے لوگ جن کو یادِ خدا کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو تجارت روک سکتی ہے اور نہ کاروبار خرید و فروخت، وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں (خوف سے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔"

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "حلال طریقوں سے معاش کی طلب عملِ آخرت سے نہیں روکتی۔

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو

(۱۲) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا۔ (نساء)

(۱۲) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ لیکن آپس کی رضامندی سے تجارتی کاروبار ہونا چاہیئے تم خود اپنی جان نہ دو بے شک خدا تمہارے حال پر مہربان ہے۔"

جبکہ خداوند عالم نے دنیوی معیشت کے لئے بنیادی اصول یہ قرار دیا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ انسان ہی کے لئے ہے۔ اور پیداوار زمین سب کے لئے عام اور مباح الاصل ہے۔ ہر فرد کو اس سے نفع حاصل کرنے کا یکساں حق حاصل ہے تو فطرتِ انسانی کے حیوانی حصے کا یہ تقاضا ہونے لگا کہ زمین کے منافع کو جس قدر اور جس طرح ہو سکے اپنے لئے سمیٹ لیا جائے۔ اور اس صورت میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت و مناقشت ناگزیر تھی۔ لہٰذا ضرورت ہوئی کہ اکتساب و انتفاع کے طریقوں کو اخلاقی بنیادوں پر محدود کیا جائے اور اس آیت کا مفاد یہی ہے کہ تحصیل معاش کے جائز طریقے بتائے جائیں اور ناجائز طریقوں کو بند کر دیا جائے۔

ارشاد خداوندی ہے۔ **لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ**

"لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ" اسلامی نظام معیشت کا نہایت جامع اور وسیع بنیادی اصول ہے۔

انسان کو یہ ہدایت کیگئی ہے کہ کسب معاش وتحصیل مال میں اس کی جد وجہد کا جائز طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی ان پیداواروں جو تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے کسی کی مملوک خاص نہیں۔ خود غرضی اور زبردستی کا دخل نہ ہونے پائے۔ طرق اکتساب معیشت باہمی معاملت ومعاوضہ کی شکل اختیار کریں جن کی بنیاد آپس کی رضامندی اور اشتراک عمل پر ہو۔ تصرفات کی اساس آپس کے جذبۂ تعاون وتراضی پر قائم کی جائے۔ معاملت کے لئے ایسا صحیح طریق کار اختیار کیا جائے جس سے ایک فرد کا نفع دوسرے کی حق تلفی اور مضرت کا باعث نہ ہو جائے۔ ایک شخص کا خیر دوسرے کے لئے شر نہ بن جائے۔ ہذا جو چیز ناحق لی گئی ہو صحیح طریق کار سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ بلکہ سود ورشوت قمار، غصب۔ خیانت۔ چوری جیسے باطل وناپاک طریقوں سے حاصل کی گئی ہو اس سے انتفاع حرام ہے۔

"اکل بالباطل" کے کلیہ میں وہ تمام طریقے داخل ہیں جن کی اجازت شریعت سے حاصل نہیں ہے۔ اور نظام عالم انسانیت کے لئے باعث فساد وضرر ہیں۔

"اکل بالباطل" کو ممنوع قرار دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا" یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل یعنی ناجائز اور غیر اخلاقی طریقوں سے کھانا خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا انجام انسانیت وعالم انسانیت کی تباہی وخرابی ہے چونکہ

خدا رحیم ہے اس کو تمہاری تباہی و ہلاکت گوارا نہیں۔ اس لئے تمہیں اُن طریقوں سے روکتا ہے۔

معاشی جد و جہد میں جو اہتمام منظورِ نظرِ شریعت اسلام ہے وہ ان احکام و ہدایات سے ظاہر ہے جن کی کثرت حصر و شمار سے کم از کم اس مختصر مضمون میں مانع ہے۔ نفع عام کے خیال سے صرف چند احکام و ہدایات کو یہاں پیش کرتا ہوں۔

معاشی جد و جہد کی اہمیت اسلام کی نظر میں
طلب معاش فریضہ ہے اور بہترین عبادت

(۱) انہ اغنی و اقنیٰ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اس قول الٰہی کی تفسیر میں فرمایا اغنی کل انسان بمعیشتہ و ارضاہ بکسب یدہ "وہ ہر انسان کو اوس کی معیشت کا سامان عطا کر کے غنی کیا اور اس کے ہاتھوں کی محنت اور کمائی کے ذریعہ سے اوس کو رضامند فرمایا"

(۲) قال رسول اللہ صلعم طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (بحار) "طلب حلال فریضہ ہے بعد فرائض (نماز روزہ وغیرہ) سے"

(۳) قال رسول اللہ صلعم العبادۃ سبعون جزءا افضلھا طلب الحلال "عبادت کے ستر جز ہیں اون میں سب سے افضل طلب حلال ہے"

عیال کیلئے روزی کمانے میں محنت کرنیوالا راہ خدا میں جہاد کرنیوالے کا ہمسر ہے:-

(۴) قال رسول اللہ صلعم الکاد علی عیالہ کالمجاھد "آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عیال کے لئے مشقت سے روزی کمانے والا خدا کی راہ میں

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" اسلامی نظام معیشت کا نہایت جامع اور وسیع بنیادی اصول ہے۔

انسان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسب معاش و تحصیل مال میں اس کی جد و جہد کا جائز طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی وہ پیداوار میں جو تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ ملکیت ہے کسی کی ملوک خاص نہیں۔ خود غرضی اور زبردستی کا دخل نہ ہونے پائے۔ طرقِ اکتسابِ معیشت باہمی معاملت و معاوضہ کی شکل اختیار کریں جن کی بنیاد آپس کی رضامندی اور اشتراک عمل پر ہو۔ تصرفات کی اساس آپس کے جذبہ تعاون و تراضی پر قائم کی جائے۔ معاملت کے لئے ایسا صحیح طریق کار اختیار کیا جائے جس سے ایک فرد کا نفع دوسرے کی حق تلفی اور مضرت کا باعث نہ ہو جائے۔ ایک شخص کا خیر دوسرے کے لئے شر نہ بن جائے۔ لہذا جو چیز ناحق لی گئی ہو صحیح طریق کار سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ بلکہ سود و رشوت قمار، غصب۔ خیانت۔ چوری وغیرہ ایسے ہی باطل و ناپاک طریقوں سے حاصل کی گئی ہو اوس سے انتفاع حرام ہے۔

"اکل بالباطل" کے کلیہ میں وہ تمام طریقے داخل ہیں جن کی اجازت شریعت سے حاصل نہیں ہے۔ اور نظام عالم انسانیت کے لئے باعث فساد و ضرر ہیں۔ "اکل بالباطل" کو ممنوع قرار دیتے ہوئے یہ فرمانا کہ لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما" یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل یعنی ناجائز اور غیر اخلاقی طریقوں سے کھانا خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کا انجام انسانیت و عالم انسانیت کی تباہی و خرابی ہے چونکہ

تقربکم عندنا زلفیٰ الا من امن وعمل صالحاً فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا وھم فی الغرفات امنون ۔ (بحار)

(وما اموالکم ولا اولادکم الخ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمکو خدا کا مقرب نہیں بنا سکتے مگر (مقرب خدا وہ ہے) جس نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے۔ ایسے لوگوں کو خدا کی طرف سے دوسری جزا اُن کی کارگذاریوں کی ملیگی۔ اور وہ لوگ (بہشت کے) جھروکوں میں امن وچین سے رہیں گے"۔

طلب دنیا کے مقاصد۔ دوسروں سے بے نیاز ہونا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا

(۹) من طلب الدنیا استغناءً عن الناس وتعطفاً علی الجار لقی اللہ ووجھہ کالقمر ۔ (بحار)

"جو شخص اس غرض سے دنیا حاصل کرتا ہے کہ دوسروں سے بے نیاز رہے اور ہمسایہ پر مہربانی کرے وہ خدا کے سامنے بروز قیامت حاضر ہوگا۔ درآنحالیکہ اوس کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہوگا"۔

اپنے دست بازو کی محنت سے کما کر کھانیوالا ثواب انبیاء حاصل کرے گا۔ خدا اُس پر نظر رحمت کریگا اور کبھی اس پر عذاب نہ ہوگا۔

(۱۰) من اکل من کد یدہ کان یوم القیامۃ فی عداد الانبیاء ویاخذ ثواب الانبیاء ۔ (بحار)

"جو شخص اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہوا مال کھائے گا قیامت میں وہ پیغمبروں کے درجہ میں ہوگا۔ اور پیغمبروں کا ثواب پائیگا۔

(۱۱) من اکل کد یدہ نظر اللہ الیہ بالرحمۃ ثم لا یعذبہ ابداً" "جو آدمی اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر روزی کھائے گا۔ خدا اس کی طرف نظر رحمت کرے گا اور اس پر عذاب کبھی نہ ہوگا۔"

(انعام)

مرد کاسب خدا کا محبوب ہے

(۱۲) الکاسب حبیب اللہ (لئالی الاخبار) "مرد کاسب خدا کا محبوب ہے۔"

(۱۳) نیز آنحضرتؐ نے فرمایا:-

انی احب ان یتاذی الرجل بحر الشمس فی طلب المعیشۃ۔ "مجھے یہ پسند ہے کہ لوگ طلب معیشت کے لئے دھوپ کی اذیت برداشت کریں۔"

دنیا کے کام اس طرح کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور کار آخرت اس طرح کرو گویا کل ہی مرنا ہے

(۱۴) اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً واعمل لآخرتک کانک تموت غداً۔ (لئالی الاخبار صفحہ ۲۳) "دنیا کا کام اس طرح کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اور کار آخرت اس طرح کرو گویا کل ہی تمکو مرنا ہے۔"

دوسروں پر اپنا بار معیشت نہ ڈالو جو شخص اپنا بار دوسرے پر ڈالتا ہے وہ ملعون ہے:-

(۱۵) لا تکونوا کلاً علی الناس ملعون ملعون من القی کلہ علی الناس۔ "دوسروں کے لئے بوجھ نہ بنو۔ وہ آدمی ملعون ہے۔ ملعون ہے جو دوسروں پر اپنا بار ڈالتا ہے۔"

سب سے بڑا اجر اُس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۱۶) من اعظم الناس اجراً من سعی فی حاجۃ اھلہ ومن ضیع اھلہ وقطع رحمہ حرمہ اللّٰہ حسن الجزاء یوم یجزی المحسنین۔

"سب سے بڑا اجر اُس آدمی کا ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو آدمی اپنے اہل و عیال کی خبر نہیں لیتا اور قرابتداروں کے حقوق ادا نہیں کرتا خدا اُس کو روز قیامت اچھی جزا سے محروم کر دے گا۔"

جو شخص عیال کو ضایع کر دیتا ہے اُن کی خدمت نہیں کرتا وہ ملعون ہے

(۱۷) نیز آپ کا ارشاد ہے :-

ملعون ملعون من یضیع من یعول۔

"وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو عیال کو بد حال خراب چھوڑ دیتا ہے۔"

روزی کمانے میں کاہلی کی مذمت

(۱۸) لا تکسل عن معیشتک فتکون کلا علی غیرک (ثالی الاخبار)

"روزی کمانے میں کسل و کاہلی نہ اختیار کرو کہ اس طرح دوسروں پر بار بنجاؤ گے۔"

بے صبری اور کاہلی سے بچو

(۲۰) نیز حدیث میں ہے :-

ایاک وخصلتین الضجر والکسل فانک

"تم دو خصلتوں سے بچتے رہو (۱) ضجر (تنگدلی و بے صبری (۲) کسل و سستی و کاہلی

ان ضجرت لم تصبر علی حق وان کسلت لم تؤد حقا۔ (لئالی ص ۲۱۳)

کیونکہ اگر تم بے صبر و تنگدل ہو جاؤ گے تو (اپنے) کسی حق پر صبر نہ کر سکو گے، اگر کاہل بنو گے تو کوئی حق ادا نہ کرو گے"۔

ارشاد نبویؐ۔ جو آدمی منہ کھولے خدا سے روزی کیلئے دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق نہیں کرتا اس کو میں دشمن رکھتا ہوں۔!

(۲۰) قال النبیؐ انی لابغض الرجل فاغر افاہ الی ربہ یقول ارزقنی ویترک الطلب۔

"آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے اس آدمی سے دشمنی ہے جو منہ کھولے پروردگار سے کہتا ہے کہ مجھے رزق عطا کر اور خود روزی نہیں کماتا"۔

جس آدمی کو روزی کمانے میں شرم نہیں آتی اس کا بار ہلکا دل مسرور اور عیال خوشحال رہتے ہیں۔

(۲۱) من لم یستحی من طلب المعاش خفت مونتہ ورخی باله ونعم عیاله (ابکار)

"جو شخص طلب معاش سے شرم نہیں کرتا اس کا بار ہلکا۔ دل مسرور اور عیال خوش حال رہتے ہیں"۔

جو شخص گھر میں بیٹھا رزق کی دعائیں مانگتا ہے اور طلب رزق کیلئے نہیں نکلتا اوسکی دعا مقبول نہیں ہوئی

(۲۲) ان اصنافا من امتی لا یستجاب لھم دعاءھم۔

"میری امت پر چند قسم کے لوگوں کی دعا مقبول نہیں ہوتیں"۔

اُن اصناف کے بیان میں فرمایا:-

ورجل يقعد في بيته ويقول يا رب ارزقني ولا يخرج ولا يطلب الرزق فيقول الله عز وجل عبدي الم اجعل لك السبيل الى الطلب والتصرف في الارض بجوارح صحيحة ؛-

"وہ شخص جو گھر میں بیٹھا کہتا ہے پروردگار مجھے رزق دے اور نہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور نہ روزی کماتا ہے۔ خدا اس سے فرماتا ہے کہ کیا میں نے تیرے لئے روزی کمانے اور زمین میں تندرست اعضاء سے کام کاج کرنے کی سبیل نہیں قرار دی ہے؟"

دنیا چھوڑ دینے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ اصحاب رسولؐ کا ایک نصیحت خیز واقعہ

(۷۰) علی بن عبد العزیز راوی ہیں کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "عمر بن مسلم" کا حال پوچھا تو میں نے عرض کی کہ انھوں نے تجارت کا پیشہ چھوڑ دیا اور عبادت میں لگ گئے ہیں تو حضرتؑ نے فرمایا:-

ويحه اما علم ان تارك الطلب لا يستجاب له دعوات ان قوماً من اصحاب الرسولؐ لما نزلت وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اغلقوا الابواب واقبلوا الى العبادة و قالوا قد كفينا فبلغ ذلك النبيؐ فارسل اليهم

"اس کے حال پر افسوس ہے۔ کیا اس کو نہیں معلوم کہ ترک دنیا کرنے والوں کی دعائیں مقبول نہیں ہوتیں۔ اصحاب نبیؐ میں سے کچھ لوگوں نے آیۂ مبارکہ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ الآیہ کے نزول کے بعد اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت خدا میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا نے

فقال ما حملكم علی ما صنعتم فقالوا یا رسول اللہ تکفل اللہ لنا بارزاقنا فاقبلنا علی العبادۃ فقال انہ من فعل ذلک لم یستجب لہ علیکم بالطلب۔

ہمارے رزق کا ذمہ لے لیا ہے جب یہ حال جناب رسولؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے اُن لوگوں کو بلا بھیجا اور فرمایا تمہارے اس طرز عمل کا باعث کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! خدا تو ہمارے لئے روزی کا کفیل و ذمہ دار ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم صرف عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہیں ہو گی۔ تم پر روزی کی تلاش لازم ہے۔"

ارشادِ نبوی۔ سوال کرنا، بھیک مانگنا بہت بُرا کام ہے

(۲۴) قالؐ مسئلۃ الناس من الفوا حش والفاحشۃ تباح عند الضرورۃ ومن سئل عن غنی فانما یستکثر من حمیم جھنم ومن سئل ولہ ما یغنیہ جاء یوم القیامۃ و وجھہ عظم یتقعقع لیس علیہ لحم۔ (لئالی ص ۶۶)

"آنحضرتؐ نے فرمایا، لوگوں سے سوال کرنا بدکاریوں میں داخل ہے اور برے کام کی اجازت فقط ضرورت ہی کے وقت ہو سکتی ہے۔ بے ضرورت سوال کرنے والا جہنم کے گرم پانی کو اپنے لئے کثیر مقدار میں جمع کرتا ہے۔ اور جو شخص سوال کرے گا درانحالیکہ اوس کے پاس بقدرِ ضرورت سامان رزق موجود ہے تو بروز قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر فقط ہڈیاں ہوں گی گوشت نہ ہو گا۔"

جو مسلمان لوگوں سے سوال کریگا خدا اس کی آنکھوں کے درمیان یہ لکھدیگا کہ یہ شخص تا قیامت فقیر رہے گا۔

(۲۵) نیز یہ ارشاد نبویؐ ہے :۔

من هداه الله للاسلام وعلمه القرآن ثم سال الناس كتب بين عينيه فقير الى يوم القيامة

" جسے خدا نے اسلام کی جانب رہنمائی کی اور علم قرآن عطا کیا پھر اُس نے لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلایا تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھدیتا ہے کہ یہ شخص قیامت تک فقیر رہیگا "

ایک در سوال کا کھولنا فقیری کے ستر دروازوں کے کھلنے کا باعث ہوتا ہے۔

(۲۶) نیز حضرتؐ نے فرمایا :۔

من فتح على نفسه باب مسئلة فتح الله عليه سبعين باباً من الفقر لايسد ادناها شئی

" جو شخص اپنے اوپر ایک دروازہ سوال کا کھولے گا تو خدا اُس پر ستر دروازے فقیری کے کھولدے گا جن میں سے ادنی دروازے کو بھی کوئی چیز بند نہ کریگی "

لکڑیاں چن کر بیچنا اور اُس سے اپنا رزق حاصل کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

(۲۷) ان الارزاق دونها حجب فمن شاء هتك الحجاب واخذ رزقه والذی نفسی بيده لان ياخذ

" روزیوں کے اوپر حجاب پڑے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے اپنی شرم و حیا برقرار رہے اور جس کا جی چاہے حجاب غیرت

احدکم حبلاً ثم یدخل عرض هذا الوادی فیحتطب ثم یدخل السوق فیبیعہ بمد من تمر فیاخذ ثلثہ و یتصدق بثلثیہ خیرلہ من ان یسئل الناس اعطوہ او حرموہ (لئالی الاخبار ص ۱۴۶)

کو چاک کر دے اور اپنا رزق حاصل کرے تم میں سے کوئی شخص اس وادی میں جاکر لکڑیاں جمع کرے اور بازار جا کر ایک مد خرما پر فروخت کرکے ایک تہائی خود کھائے اور دو تہائی محتاجوں پر تصدق کر دے تو یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہو گی کہ لوگوں سے سوال کرتا رہے خواہ وہ اسکو دیں یا محروم کر دیں۔

ہمارا پیرو وہ آدمی ہے جو بھوکا مر جائے مگر بھیک نہ مانگے۔

(۲۸) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

شیعتنا من لا یسال الناس ولو مات جوعاً

"ہمارا شیعہ وہ ہے جو بھوکا مر جائے مگر لوگوں سے سوال نہ کرے۔

ایک جماعت انصار کا بہترین طرز عمل۔ اتباع امر نبیؐ کا اعلیٰ نمونہ!

(۲۹) ایک روایت میں ہے:۔

ان جماعۃ من الانصار قالوا یارسول اللّٰہ لنا حاجۃ عظیمۃ اضمن لنا الجنۃ فاطرق راسہ ثم رفعہ وقال انی اضمن لکم

"انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسالتمآبؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! ہم ایک بڑی حاجت لیکر آئے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لئے بہشت کی ذمہ داری

الجنة علی ان تضمنوا ان لاتسئلوا
احد تقبلوا حتی انهم اذا سافروا
وسقط السوط من ید راکبهم
نزل ورفعه ولم یسأل عن
صاحبه الراجل ان يناوله فرادی
عن المسئلة واذا جلسوا علی
المائدة لم یسأل البعید منهم
عن مشربة الماء من القریب
منها فیقوم ویشرب -

لے لیجیے۔ حضرتؐ نے کچھ دیر تک
سر جھکائے رکھا۔ پھر مخاطب ہوئے اور
فرمایا۔ میں اس شرط پر تمہارے لئے
بہشت کا ضامن ہوتا ہوں کہ تم کسی سے
سوال نہ کروگے۔ اُن لوگوں نے یہ شرط
قبول کرلی۔ نوبت یہ پہونچی کہ اگر سفر میں
اُن کے کسی سوار کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑتا
تھا تو وہ خود اتر کر اٹھاتا تھا۔ اپنے کسی
ساتھی پیدل چلنے والے سے یہ نہیں کہتا
تھا کہ میرا تازیانہ اٹھا دو۔ اور جب کسی دسترخوان پر کھانے کے لئے
بیٹھتے تھے تو جس سے ظرف آب دور ہوتا تھا وہ خود اٹھکر جاتا اور
پانی پیتا تھا۔ کسی قریب کے آدمی سے نہیں مانگتا تھا۔"

بھیک مانگنے والے کی گواہی لائق قبول نہیں

(۳۰) نیز جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا:-

شهادة الذی یسأل فی کفه یرد
(لئالی الاخبار صفحہ ۱۴۲)

"جو آدمی بھیک مانگتا ہے اوس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔"

سبحان اللہ! کیسی اعلیٰ اخلاقی و معاشی تعلیم تھی۔ اور کیسے عالی ہمت اور مستغنی
اُس کے ماننے والے تھے اگر آج تعلیم اسلامی پر عمل کرنے کا بھی مبارک جذبہ
پیروان اسلام میں کے بنائے ہوئے طریقوں پر بلند ہمتی کے ساتھ گامزن

ہوتے تو دنیا اسلامی اصول کی برتری تسلیم کئے بغیر نہ رہتی۔ جبکہ خود مسلمان ہی اسلامی تعلیمات سے ناواقف و بے بہرہ ہیں تو اغیار کا ناواقف رہ جانا کس طرح قابل تعجب ہو سکتا ہے؟

دوکانداری و تجارت کی ہدایت

(۱) الرزق عشرة اجزاء تسعة منها فی التجارة۔

ارشاد نبوی ہے:۔

"روزی کے دس حصے ہیں۔ نو حصے تجارت میں ہیں"۔

ابو عمار راوی ہیں:۔

(۲) قلت لابی عبد اللہ انہ قال ذهب مالی وتفرق ما فی یدی وعیالی کثیر فقال ابو عبد اللہ اذا قدمت الکوفة فافتح باب حانوتک وابسط بساطک وضع میزانک وتعرض لرزق ربک ففعل ذلک فاثری وصار معروفاً۔

"میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میرا سب مال و متاع جاتا رہا اور عیال میرے بہت ہیں کیا کروں؟ حضرت نے فرمایا جب کوفہ میں تیرا جانا ہو تو اپنی دوکان کے در کھول دینا۔ بساط بچھا کر بیٹھ جانا۔ ترازو رکھ دینا اور اس طرح خدا کا رزق طلب کرنا۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور مشہور صاحب ثروت ہو گیا"۔

(۳) امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا۔

ای شیء تعالج ای شیء تصنع قلت ما انا فی شیء قال فخذ بیتاً واکنس فناه ورشه وابسط فيه بساطاً

"تمہارا روزگار کیلئے کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں۔ تو فرمایا ایک دوکان لیلو۔ اس کے صحن کو جھاڑو۔ پانی چھڑکو

فاذا فعلت ذلک فقد قضیت ماعلیک (لئالی الاخبار ص ۱۵۳)

اور فرش بچھا کر بیٹھ جاؤ۔ جب تم نے اتنا کر لیا تو اپنا حق اور فریضہ ادا کر چکے"

تجارتی کاروبار اپنا پیشہ بناؤ

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے

(۴) تعرضوا للتجارۃ فان فیھا غنی لکم عما فی ایدی الناس۔ (بحار ص ۵)

تجارت کا پیشہ اختیار کرو لوگوں سے بے نیازی کا راز اسی میں ہے۔"

تجارت و دستکاری

سئال النبی ای کسب الرجل اطیب قال عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور (لئالی الاخبار ص ۳۳۱)

"(۵) جناب رسولؐ سے کسی نے پوچھا کون سا پیشہ اور کمانے کا طریقہ اچھا ہے؛ فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرنا یعنے دستکاری اور عمدہ و سچی تجارت ہے"

صنعت و حرفت کی ترغیب

جناب رسولؐ نے فرمایا:۔ (۶)

ان اللہ یحب المحترف۔ (لئالی ص ۳۳۱)

"صاحب حرفت و دستکاری کو خدا دوست رکھتا ہے"

جب مومن صاحب حرفت نہیں ہوتا تو دین فروشی کرتا ہے اور دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے

(۷)

کان رسول اللہ صلعم اذا نظر الی الرجل فاعجبہ قال ھل

"جب آنحضرتؐ کسی کو دیکھتے اور وہ آپکو بھلا آدمی معلوم ہوتا تو پوچھتے تھے

له حرفة فان قالو الا قال سقط من عيني قيل وكيف ذلك يا رسول الله ؐ قال لان المومن اذا لم يكن له حرفة يعيش بدينه

(بحار ص ۶)

کہ یہ کوئی صنعت و حرفت کرتا ہے؟ اگر لوگ یہ کہتے کہ نہیں تو آپ فرماتے تھے کہ یہ شخص میری نگاہ سے گر گیا۔ کسی نے عرض کی اے رسول خدا! یہ کیوں؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ جب مومن صاحب حرفت اور پیشہ ور نہیں ہوتا تو وہ اپنے دین ہی کو ذریعہ معاش بناتا ہے۔"

زراعت پرورش حیوانات و باغبانی (۸)

وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ط

"ایماندار وں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

حدیث میں ہے کہ "مومنون" سے مراد کاشتکار و مزارعین ہیں۔

جناب سرور کائناتؐ سے کسی نے پوچھا کہ کون سا مال بہتر ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

زرع زرعه صاحبه واصلحه وادی حقه یوم حصاده

"وہ کھیتی جس کو کاشتکار بوتا ہے اوس کو درست کرتا ہے اور کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔"

پھر اُس نے پوچھا زراعت کے بعد کون سا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا:۔

رجل فی غنمه قد تبع بها مواقع القطر يقيم الصلوٰة ويوتى الزكوٰة

"وہ آدمی جو بھیڑیں پالتا اور بارش کے مقامات (سبزہ زاروں) میں ان کو لئے پھرتا ہے نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔"

پھر اس نے پوچھا بھیڑوں کے بعد کون سا مال بہتر ہے؟ تو فرمایا:۔

البقر تغدو بخیر و تروح بخیر " گایوں کے گلے جن کو تو صبح کو چرانے نکلتا ہے اور شام کو واپس آتا ہے ۔"

پھر سوال ہوا کہ بعد گائے کے کون سا مال بہتر ہے ؟ تو فرمایا :۔

المطعمات فی المحل نعم الشئ النخل " زمانہ قحط میں غذا دینے والے کھجور کے درخت نہایت خوب ہیں ۔" (بحار)

کاشتکاری و باغبانی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زراعت مکروہ ہے ۔؟ تو آپ نے فرمایا

ازرعوا واغرسوا واللہ ما عمل الناس عملاً اطیب منہ ۔ (بحار) " کھیتی کرو باغ لگاؤ بخدا کوئی کام اس سے زیادہ حلال اور پاکیزہ نہیں ہے ۔

خدا کو سب سے زیادہ پسند پیشہ کاشتکاری ہے ۔

ہارون راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کاشتکاروں کے متعلق پوچھا تو ارشاد ہوا :۔

ھم الزارعون کنوز اللہ فی ارضہ وما فی الاعمال شئ احب الی اللہ من الزراعۃ " کاشتکار خدا کے خزانوں کو زمین میں بونے والے ہیں ۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ پیشہ زراعت ہے ۔"

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار (امام زین العابدین علی بن الحسین علیہم السلام) کہا کرتے تھے کہ " بہترین کام کاشتکاری و زراعت ہے کیونکہ اس سے مومن و بدکار سب ہی منتفع ہوتے ہیں اور حیوانات کو بھی نفع پہونچتا ہے ۔"

باغبانی

جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا :۔

من سقی طلحۃ او سدرۃ فکانما " جو شخص درخت خرما یا بیر کے درخت کو

سقی مومنا من ظماء۔
(لئالی الاخبار ص۳۳)

پانی دیتا ہے گویا کہ وہ کسی پیاسے مومن کو پانی پلاتا ہے"

سیرت جناب امیرؑ کے متعلق ارشاد دیلمی میں مروی ہے۔

کانؑ یغرس النخل و یبیعها ویشتری بثمنها العبید ویعتقهم ویعطیهم مع ذلک مایغنیهم عن الناس۔

"جناب امیرؑ کھجور سے باغ لگاتے اور اس کو فروخت کرتے تھے۔ اور اس کی قیمت سے غلاموں کو خرید کر کے آزاد کر دیتے تھے۔ اور ان کو اتنا مال بھی دیدیتے تھے جس سے وہ لوگوں کے محتاج نہ رہیں"

نیز حضرت کے متعلق مروی ہے۔

لقد اعتق الف مملوک من کدّ یمینه تربت منه یداه وعرق فیه جبینه۔ (لئالی الاخبار ص۲)

"حضرت امیرالمومنین نے ایک ہزار غلام اپنی ذاتی کمائی سے جس میں دست مبارک خاک آلود اور جبین مقدس عرق ریز ہوئی تھی خرید کر آزاد فرمائے"

سیرت نبوی و سیرت دیگر پیشوایان اسلام

(۱۲) ابو حمزہ راوی ہیں:۔

رائیت اباالحسن علیه السلام یعمل فی ارض له قد استنقعت قدماه فی العرق فقلت له جعلت فداک این الرجال فقال یا علی قد عمل بالید من هو خیر منی فی

"میں نے ابو الحسن علی رضا علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی ایک زمین میں اپنے ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں اور دونوں پاؤں غبار اور پسینے سے آلودہ ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کی میری جان آپ پر فدا کیا جائے آپ کے آدمی

ارضه ومن ابی فقلت ومن هو قال رسول اللّٰہ وامیرالمومنین وآبائی کلهم کانوا قد عملوا بایدیهم وهو من عمل النبیین والمرسلین والاوصیاء والصالحین ۔ (امالی الاخبار ص۳۳۱)

کہاں ہیں؟ (جو آپؑ خود محنت و مشقت برداشت کر رہے ہیں) فرمایا۔ اے علی! اپنے ہاتھوں سے اون لوگوں نے کام کئے ہیں جو خدا کی زمین میں مجھ سے بہتر تھے۔ میں نے عرض کی وہ حضرات کون تھے؟ فرمایا جناب رسالتمآبؐ اور امیرالمومنینؑ اور میرے سب باپ دادا اپنے ہاتھوں ہی سے کام کیا کرتے تھے۔ اور انبیاء و مرسلین، اوصیاء و صالحین کا بھی طریق عمل یہی رہا ہے —"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:—

انی لاعمل فی بعض ضیاعی حتی اعرق وان لی من یکفینی لیعلم اللّٰہ انی اطلب الرزق الحلال (امالی الاخبار ص۳۳۱)

"میں اپنی زمینوں میں خود کام کرتا ہوں۔ یہانتک کہ پسینے میں ڈوب جاتا ہوں۔ حالانکہ میرے پاس خدمتگار موجود ہوتے ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ میں ایسا اس غرض سے کرتا ہوں تاکہ خداوند عالم جان لے کہ میں رزق حلال کا طالب ہوں۔"

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:—

کان امیرالمومنین یخرج فی الهاجرة فی الحاجة قد کفیها یرید ان یراه اللّٰہ یتعب نفسه فی طلب الحلال ۔

"حضرت امیرالمومنین علیہ السلام دوپہر کی شدید گرمی میں خود کام کاج (مزدوری) کے لئے نکل کھڑے ہوتے تھے حالانکہ آپ کی مدد کرنے والے موجود تھے۔ مگر آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ خداوند عالم یہ دیکھ لے کہ

طلب حلال میں آپ اپنے نفس کو تعب میں ڈالتے ہیں۔"

روایات مندرجہ بالا کے مضامین کا خلاصہ

ان روایات واخبار سے مندرجہ ذیل نتائج نگاہ عقل کے سامنے آتے ہیں:- (۱) اسلام کو گداگری سے نفرت ہے بے ضرورت سوال کرنا اور بھیک مانگنا اس کے نزدیک ناجائز اور برا کام ہے۔

(۲) اسلام کو یہ گوارہ نہیں کہ کوئی تندرست و توانا آدمی اپنا بار معیشت دوسروں پر ڈالے وہ اس کو قابل لعنت کام قرار دیتا ہے۔ اور وہ کاہلی و سستی کا سخت مخالف ہے۔

(۳) زیادہ سے زیادہ افراد کا کسبہ پیدا کرنا۔ تجارت۔ زراعت، صنعت وحرفت۔ کو فروغ دینا۔ زمین کی آبادی اور کسب معاش کے جائز ذرایع ووسائل کو وسیع کرنا۔ اُس کا عظیم الشان نصب العین ہے۔ ذوق اسلامی راہبانہ وجوگیانہ طریقوں سے حاصل کی ہوئی معاش کو "اکل بالباطل" یعنی حرام خوری قرار دیتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (توبہ) "اے ایمان لانے والو! یقیناً یہود و نصاریٰ کے بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔"

(۴) زراعت وتجارت و باغبانی اُس کے نزدیک وسائل معاش کے اعلیٰ اقسام ہیں۔ نوکری۔ مزدوری۔ مستاجری۔ کو وہ تجارت کے برابر اہمیت نہیں دیتا۔ اور اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔

اجرت کے کاموں سے تجارت بہتر ہے اور اس کا سبب!

عمار ساباطی ناقل ہیں کہ میرے سوال کے جواب میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا:- لا يواجر نفسه ولكن يسترزق الله "کوئی شخص اپنے نفس کا سودا نہ کرے

عزوجل ویتجر فانہ اذا اجر نفسہ حظر علی نفسہ الرزق۔

بلکہ خدا سے رزق کا طالب ہو۔ یعنی اُجرت پر کام کرنا۔ اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے اور تجارت کا پیشہ اختیار کرے کیونکہ اپنے نفس کا معاملہ اُجرت پر کرنے سے رزق کم ہو جاتا ہے۔

اصول اجمال فی الطلب "تحصیل رزق کیلئے سعی و محنت کے عمدہ طریقے اختیار کرو"

جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا:-

ایھا الناس ان الرزق مقسوم لن یعدو امرء ما قسم لہ فاجملوا فی الطلب (بحار)

"لوگو! رزق خدا کی طرف سے تقسیم شدہ ہے جس کی قسمت میں جتنا رزق ہے وہ اُسے ضرور ملے گا۔ لہذا طلب رزق میں اچھے طریقے اختیار کرو۔"

اصول اجمال فی الطلب کا خلاصہ

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:-

خفض فی الطلب واجمل فی المکتسب فانہ رب طلب قد جر الی حرب (نہج البلاغہ حصہ دوم ص ۲۷)

"طلب رزق میں نرم رفتار سے چلو کسب معاش میں اچھے طریقے اختیار کرو کیونکہ اکثر معاشی دوڑ دھوپ کا انجام جھگڑا اور فساد ہے۔"

شیخ محمد عبدہ مصری شارح نہج البلاغہ نے مذکورہ جملوں کی شرح یہ کہا ہے:-

ای سعی سعیا جمیلا لا یحرص فیمنع الحق ولا یطمع فیتناول ما لیس بحق۔

"یعنی آدمی سعی جمیل اختیار کرے نہ حریص بنے اور نہ کسی کا حق دبائے اور نہ طمع کرے اور وہ چیزیں لے لے جو اسکا حق نہیں ہیں۔"

طلب رزق و کسب معاش میں اچھے اور معتدل طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس کی مصلحت بھی بتا دی ہے۔ یعنی حرص و ہوا کے ماتحت غیر جمیل سعی و طلب کا انجام یہ ہوگا کہ حقداروں کے حقوق تلف ہوں گے۔ آدمی دوسروں کے حق کو روکے گا۔ اور وہ مال و دولت بھی حاصل کرے گا۔ جس کا اس کو حق نہیں ہے اور اس طرح آپس میں جنگ و پیکار چھڑ جائے گی۔ طلب الکل کا انجام فوت الکل ہوگا۔ اور اس طریقہ پر تعمیر معاش میں صورت تخریب مضمر ہوگی۔ کیا آج ہمارے سامنے دنیا کی معاشی پیچیدگیاں اور فتنہ سامانیاں نہیں ہیں۔ جو حرف اجمال فی الطلب کے اصول پر عمل نہ کرنے کا تلخ مزہ اور مہلک نتیجہ ہیں۔ کیا پُر آشوب حالات ہم کو یہ درس عبرت نہیں دیتے کہ بُری طرح کمانے کا انجام سب کچھ کھو دینا ہے۔؟

طلب رزق کے معتدل حدود

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:۔

لا تجاهد الطلب جهاد العدو و لا تتكل على القدر اتكال المستسلم فان ابتغاء الفضل من السنة والاجمال فی الطلب من العفة۔

"طلب معاش میں اتنی جد و جہد نہ کرو جتنی دشمن کے مقابلہ میں کی جاتی ہے اور نہ تقدیر کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے کا طریقہ اختیار کرو۔ معاش میں زیادتی پیدا کرنا سنت ہے اور طلب معاش میں عمدہ طریقے اختیار کرنا شعار عفت ہے۔"

دوسری حدیث میں ہے:۔

ولیکن طلبك المعيشة فوق كسب المضيع دون طلب الحريص

"طلب معاش میں تمہاری کوشش اس شخص سے بالاتر ہونی چاہئے جو بیکاری میں ہو

الراضی بالدنیا المطمئن الیھا؟ ولکن انزل نفسک من ذلک بمنزلۃ المنصف المتعفف۔

(بحار جلد ۲۳ صہ ۱۲)

اپنی معاش کو ضایع کرتا ہے اور اُس حریص سے کم جو دنیا ہی پر راضی اور مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ اپنے نفس کی منزل ان دونوں کے درمیان وہاں قرار دو جہاں انصاف پرور پرہیزگار ان کا مقام ہے۔"

حریفانہ مقابلہ ومفاخرت کے خیال سے بطریق حلال تحصیل دولت و مال بھی باعثِ غضبِ الٰہی ہے

طلبِ حلال میں بھی سرمایہ دارانہ و حریفانہ مقابلہ اور مسابقت نہ ہو۔ مال و دولت میں کثرت طلبی خالص دنیاداری کا رنگ اختیار کرلے۔ اس کا انجام تکاثر اور تفاخر ہو۔ معاشی میدان عمل میں کامیاب اپنی کامیابی کو ناکاموں پر فخر کا ذریعہ بنائے۔ یہ اغراض اسلام کی نظر میں فاسد اور قابلِ نفرت ہیں۔ اور کسب حلال بھی اگر ان اغراض کے ماتحت ہوگا تو باعثِ غضب خداوندی قرار پائے گا۔

اس حدیث نبویؐ میں یہی بات واضح کی گئی ہے۔

من طلب الدنیا حلالا الا مکاثرا متفاخرا لقی اللہ وھو علیہ غضبان ومن طلبھا استعفافا عن المسئلۃ و صیانۃ لنفسہ جاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر ساطع

(اصول کافی جلد ۲ صہ ۳۰۷)

"جو آدمی حلال طریقوں سے بھی دنیا کی طلب اس غرض سے کرے گا کہ کسب مال و دولت میں دوسروں سے بڑھ جائے — اور اس بات پر فخر کرے تو خدا کے سامنے اس طرح آئیگا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔ اور جس کا مقصد طلب دنیا سے یہ ہوگا

کہ ذلت سوال سے اپنے نفس کو بچائے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔"

یہ حدیث طلب اسباب معیشت کی جائز و ناجائز اغراض کو متعین کر دیتی ہے اور اس پر تنبیہ کرتی ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت اور حریفانہ مقابلہ و کشمکش جذبۂ تفاخر و تکاثر کسب حلال میں بھی ناقابل برداشت ہے۔ اسلام کی نظر میں وہ سعی معاش و طلب رزق ممدوح ہے جس کی نیت بخیر اور طریق کار اخلاقی نقطۂ نظر سے درست ہو۔

پرہیزگاری وخوش کرداری کا افزائش رزق میں دخل ہے

اسلام کی نگاہ میں حسن نیت و صلاح کار و خوبی کردار کو انسان کی وجہ معیشت و رزق کی اصلاح میں بڑا دخل ہے۔ جس کے چند شواہد یہ ہیں:-

(۱) لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سبا)

"تاکہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے خدا اُن کو جزاء خیر عطا کرے یہ لوگ وہ ہیں جن کے واسطے گناہوں کی مغفرت اور باعزت روزی ہے۔"

(۲) مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

"جو شخص خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کی نجات کا راستہ قرار دے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اُسکو وہم و گمان بھی نہ ہو۔"

تنگی معاش اور زوال نعمت کے اسباب

عن امیر المومنین سلام اللہ علیہ ... [illegible]

نعمۃ قوم ولا غضارۃ عیش الا بذنوب اجترحوها ان اللہ لیس بظلام للعبید ٥

"حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قوم کی نعمت اور سکھ اور چین کی زندگی پر زوال نہیں آیا۔ مگر اُس کے افراد کے گناہوں ہی کی وجہ سے۔ خدا تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

افزائش رزق حسن نیت سے وابستہ ہے۔

من حسنت نیتہ زید فی رزقہ

"جس کی نیت اچھی ہوگی اس کا رزق زیادہ ہوگا"

توکل بھی وسعت معاش کا ذریعہ ہے۔

مَن یَتَوَکَّل عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسبُہٗ۔

"جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اُس کے لئے کافی ہوگا۔"

(خلاق)

ارشاد نبوی ہے:-

انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقتم کما ترزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا ٥

"اگر خدا پر پورا بھروسہ تمہیں ہو تو روزی تمہیں اُس طرح ملنے لگے گی جس طرح پرندوں کو ملتی ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔"

جن دماغوں میں غبار مادیت بھرا ہوا ہے وہ تعجب سے یہ سوچنے لگیں گے کہ دنیوی معیشت کے اسباب میں اخلاق و روحانیت کی تاثیر و مداخلت کیسی؟ مگر یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کا تجربہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدات اُس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

حکم طلب معیشت اور حکم توکل میں متضادیت نہیں

ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی کو

یہ غلط فہمی ہو کہ توکل اور طلب معیشت دونوں باتیں باہم منافات رکھتی ہیں۔ خدا پر بھروسہ اور تلاش رزق میں دوڑ دھوپ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ "توکل" کے صحیح مفہوم اور حقیقت کی بابت پیشوایان اسلام کی تعلیمات پر نظر کی جائے۔ اور یہ دیکھا جائے کہ اُن حضرات نے جو سبق "توکل" کا دیا ہے اُس کے معنی کیا ہیں۔

تدبیر کے بعد تقدیر پر بھروسہ۔ سعی عمل کے بعد توکل

مروی ہے:۔

(۱) ان اعرابیاً دخل مسجد النبی ص فقال اعقلت ناقتک قال لا قد توکلت فقال اعقلها و توکل۔ (لئالی الاخبار ص ۱۵۶)

"ایک اعرابی مسجد نبی میں آیا تو آنحضرت نے اُس سے پوچھا کہ تو نے اپنی اونٹنی کے پاؤں کو باندھ دیا ہے؟ اُس شخص نے عرض کی کہ نہیں میں نے خدا پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے پاؤں رسی سے باندھ دے اور خدا پر توکل کر۔"

اسی ارشاد نبوی کی بنا پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

التوکل ان تعقل بعیرک ثم تقول توکلت علی اللہ۔

"حقیقت توکل یہ ہے کہ تم اپنے اونٹ کے پاؤں کو باندھ دو۔ پھر کہو توکلت علی اللہ" (مجھے خدا پر بھروسہ ہے)

حقیقت توکل کے متعلق ارشاد نبوی

العلم بان المخلوق لا یضر ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع و استعمال الیاس من الخلق فاذا کان العبد کذلک

"توکل" یہ جان لینا ہے کہ کوئی فرد مخلوق نہ ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع دے سکتی ہے عطا کرنا اور روکنا کچھ بھی اس کے ہاتھ

لم یعتمد الی احد سوی الله ولم
یرجع لم یخف سوی الله ولم یطمع
فی احد سوی الله فهذا هو التوکل۔
(ثمانی ص ۱۵۶)

یں نہیں اور خلق کی جانب سے امید قطع
کر لینا جب بندہ ایسا کرے گا تو اُس کو
خدا کے سوائی اور کسی پر بھروسہ نہ ہوگا۔
اور نہ اس کی رجوع کسی کی طرف ہوگی۔
سوا خدا کے نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوگا۔ اور نہ اس کی طمع سوا
خدا کے کسی سے وابستہ ہوگی۔"

(۳) قول خداوندی "وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِکُوْنَ" کی تفسیر میں جناب
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

هُوَ قول الرجل لولا فلان لهلکت
ولولا فلان ما اصبت کذا وکذا
ولولا فلان لضاع عیالی الا تری
انه قد جعل لله شریکاً فی ملکه
یرزقه ویدفع عنه قال الراوی
فیقول ماذا یقول لولا ان من الله
علی بفلان لهلکت قال نعم
لا باس بهذا ونحوه
(ثمانی الاخبار ص ۱۵۶)

"شرک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر
فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔
اور اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو میں اپنے مطالب
ومقاصد نہ پا سکتا۔ اگر فلاں شخص نہ ہوتا
میرے عیال ضائع ہو جاتے۔ جو شخص
باتیں کہتا ہے وہ خدا کا شریک اس کے
ملک میں قرار دیتا ہے جو اس کو رزق دیتا
ہے اور اس سے مصیبتوں کو دفع کرتا ہے
راوی نے کہا پھر کیا اسے اس طرح کہنا چاہیے
کہ؟ اگر خدا نے فلاں آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو میں ہلاک
ہو جاتا۔ فرمایا ہاں، اس طرح کی باتوں میں مضائقہ نہیں۔"

امامؑ کا مقصد یہ ہے کہ اگر بنظر تحقیق غیر خدا پر اعتماد کی تحقیق و تشریح کی جائے تو ظاہر ہوگا کہ خدا پر یقین نہ ہونا یعنی کفر باطنی ہی اُس کا منشاء ہوا کرتا ہے۔ اگر خدا پر یقین و اعتماد کا اس کی ذہنی و باطنی دنیا میں پورا دخل ہو تو غیر خدا پر بھروسہ قائم ہونے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی۔

حقیقت "توکل" خدا کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ "توکل" کے معنی اپنے اُمور میں خدا کو وکیل بنانے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو "اپنا" وکیل اسی وقت بناتا ہے جبکہ اس پر پورا اطمینان و اعتماد رکھتا ہے۔ لہذا "توکل" سعی عمل اور تدبیر کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی خدا پر بھروسہ کر کے تدبیر و سعی عمل سے ہاتھ کھینچ لے اور معطل ہو کر بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے۔ حقیقت "توکل خدا" کے بھروسہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ بے عمل بن جانا۔ بات یہ ہے کہ انسان کسی اعتماد اور کسی بل بوتے پر ہی کوشش کر سکتا ہے۔ اگر امید اور اعتماد بالکل نہ ہو تو مطلق یاس و قنوط کی حالت میں اس کی قوت عمل میں حرکت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ تحریک عمل کے لئے اعتماد کا سہارا ضروری ہے۔ انسان کے لئے معاش و معاد کی مثال حاضر و غائب، عاجل، و آجل، امروز و فردا کی ہے۔ معاشی ضرورتیں اُسے احساس معاد و آخرت سے پہلے دامنگیر ہوتی ہیں۔ جب وہ میدان میں آتا ہے تو اسباب معاش و رزق کے طویل مسائل سارے عالم علوی و سفلی میں پھیلے نظر آتے ہیں۔ اس کو ایک وقت کی غذا حاصل ہونے میں زمین و آسمان ابر و ہوا۔ چاند و سورج۔ اور بہت سی علوی و سفلی، مخفی و ظاہر طاقتوں کا دخل

نظر آتا ہے۔ اس کا بھی احساس ہوتا ہے کہ خود اُس کی قوت عمل و تدبیر بھی اسباب
معیشت کی تحصیل میں دخل رکھتی ہے۔ اب اس کے سامنے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں
یا تو اپنی قوت اور عالم اسباب میں بکھرے ہوئے اسباب و وسائل پر بھروسہ
کرے یا کسی ایسی طاقت پر جو تمام قوتوں پر حاوی اور تمام اسباب و وسائل پر

V. Imp

محیط ہے۔

پہلی صورت میں اس کو ذہنی و قلبی انتشار کا سامنا ہوگا۔ اس کی امیدوں و
آرزوؤں کا واحد مرکز نہ ہوگا۔ پریشانی خیال اُس کے دامن سے وابستہ ہوگی
ایک مبتلائے فکر معاش انسان کو کبھی علوی اسباب کی عاجزانہ خوشامد کرنی ہی پڑیگی
اور کبھی سفلی وسائل کی رضا جوئی کی فکر وجہ پریشانی خاطر ہوگی۔ کبھی سماوی طاقتوں کی
ناراضی کا ڈر اور کبھی ارضی قوتوں کی غضبناکی کا اندیشہ غرض امیدوں کی یہ لامرکزیت
اس کو سکون قلب سے کبھی آشنا نہ ہونے دے گی۔ اور اس کے حال پریشان کی
تصویر اُس صورت کے مطابق ہوگی جو اس آیۂ مبارکہ کے آئینہ میں دکھائی گئی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَجُلاً فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلاً سَلَماً لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً

"خدا نے ایک مثل بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی جھگڑالو (آقا) شریک ہیں۔ اور ایک غلام ہے جو صرف ایک ہی شخص کا ہے۔ تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟"

عالم اسباب میں ہر جانب پھیلے ہوئے اسباب معاش و وسائل رزق سے
امید و اعتماد کی وابستگی ہی شرک جلی و خفی کا مبدا اور منبع ہے۔

دوسری صورت میں اوس کی معاشی امیدوں کا ایک مرکز ہوگا۔ عالم کے

تمام منتشر مختلف اسباب ایک مرکزی نظام کے ماتحت واحد مسبب الاسباب سے وابستہ نظر آئیں گے۔ اور اس کی عقیدت و نیازمندی کا صرف مرکز اعتماد وابستہ ہونا اس کو پریشانی ذہن و خیال سے بچا کر اطمینان و سکون خاطر کی نعمت سے بہرہ مند کر دے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (دلوں کا اطمینان صرف خدا کی یاد سے وابستہ ہے)

اصول توکل کا حاصل اور ثمرہ

اسلامی نظام معیشت میں اصول "توکل" کا حاصل یہ ہے کہ معیشت کی بہتری کے لئے کوشش کرو۔ مگر کامیابی کے لئے اسباب پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھو۔ روزی رساں کے فضل وکرم کے اعتماد پر میدان عمل میں جد و جہد کرو نہ کہ اپنی محنت و دعا جز قوت عمل اور دیگر اسباب و وسائل کے بھروسہ پر۔ اس سے مقصود تحصیل اسباب رزق سے دست برداری کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ اسباب پر کلی اعتماد نہ کرنے کی ہدایت ہے۔ ذہنی انتشار، پریشانی خیال اور شرک خفی و کفر باطنی سے محفوظ رکھنا اس اصول کا اصل نصب العین ہے۔ اسی نصب العین کے ماتحت قرآن مجید کی بے شمار آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ رزاق حقیقی خدا ہے تمام اسباب علوی و سفلی اوسی کے مسخر و تابع فرمان ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ اون کو امیدوں کا مرکز بنایا جائے۔ ساتھ ہی اس کے اون اسباب سے بھی قطع تعلق نہ کیا جائے۔ جن سے خدا نے مسببات کو اس طرح مرتبط کر دیا ہے کہ اون کے بغیر وہ کبھی عالم وجود میں نہیں آسکتے۔ اون مسببات کا اُن اسباب سے منسلک ہونا۔ اور اُن کے بغیر حاصل نہ ہونا فطرت کا ایک عام اصول ہے جس کے

خلاف کبھی نہیں ہوتا - اس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے سامنے کھانا رکھا ہے - ہم بھوکے اور محتاج غذا بھی ہیں۔ مگر اُس کا ہمارے مُنہ میں جانا اور ہمارا رزق بننا اُس کی طرف ہاتھ بڑھانے - ہاتھ سے مُنہ میں رکھکر دانتوں سے چبانے پر موقوف ہے - اور یہ ایسی شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ کھانا فطرت کے عام اصول کی بنا پر ہماری غذا اور ہمارا رزق نہیں بن سکتا - اب ہم اگر سوچیں کہ ہمکو خدا پر توکل کرنا چاہئے - اور شرط توکل عدم سعی و طلب ہے اور ہاتھ کو کھانے کی جانب بڑھانا اور اُس سے اُس کو دہن تک لانا پھر دانتوں سے چبانا یہ تمام امور سعی و حرکت و عمل ہیں - لہذا اُن کو چھوڑ کر خدا پر اعتماد کئے بیٹھے رہنا چاہئے - وہ خود کھانے وہ خود کھانا ہمارے دہن تک پہونچا دے گا - ظاہر ہے کہ اس قسم کا خیال مجنونانہ ہوگا - اُس کو توکل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا - صورت مذکورہ میں "حقیقت توکل" تو یہ ہوگی کہ ہم ہاتھ بڑھائیں اور کھائیں - اور اس کام میں رزاق حقیقی کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اثنائے عمل میں ہاتھ شل ہو جائیں - یا ایسے حالات و اتفاقات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے سامنے رکھا ہوا کھانا ہمارا رزق نہ بن سکے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

اوجب اللہ لعبادہ ان یطلبوا منہ مقاصدھم بالاسباب التی سببھا لذلک وامرھم بذلک ط

"خداوند عالم نے بندوں پر واجب کیا ہے کہ اپنے مقاصد کو اُن اسباب کے ذریعہ سے طلب کریں اور اُس نے بندوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے"

(جامع السعادات ص۳۴۳)

نظریہ و مقصد و عمل کے اعتبار سے اسلام کا نظام معیشت ایک قسم کا

معتدل نظام اشتراکیت و مساوات ہے۔ اشتراکیت سے مراد زمانہ حاضرہ کا نظام اشتراکیت کمیونزم نہیں ہے۔ کیونکہ اس نظام کے بعض بنیادی نظریات اگرچہ نظام اسلام سے ماخوذ ہیں مگر طریق کار میں بہت زیادہ اختلاف ہے چونکہ اسلام کو اشتراکی نظام کہنے سے "مخالف اسلام اشتراکیت" سے اس کا التباس و اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسلامی نظام اخوت و مواساۃ۔ عدل و مساوات کا نظام ہے۔ جو سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور ان تمام اسباب کا دشمن ہے جن کا انجام یہ ہو کہ مال و دولت مخصوص طبقوں میں سمٹ کر محدود ہو جائے۔ عام بندگان خدا ابتلائے فقر و احتیاج ہو جائیں چند افراد دولت و ثروت کے اندر لوٹتے رہیں۔ اور مسرفانہ تعیش پرستی میں زر و مال لٹاتے ہوں۔ اور دوسرے خدا کے بندے نان شبینہ کے محتاج ننگے بھوکے بے خانماں پھرتے اور سامان معیشت کے لئے ترستے ہوں۔ ان مفاسد سے بچنے کے لئے جو امور ضروری تھے۔ ان کا مکمل بندوبست نظام اسلام کے پیش نظر ہے۔

(امر اول) فاسد سرمایہ داری اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کا مذموم جذبہ جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے ان کو ایک حدیث میں یکجا بیان فرمایا ہے:۔

لا یجتمع المال الا بخمس خصال ببخل شدید و امل طویل و حرص غالب وقطیعۃ الرحم و ایثار الدنیا علی الآخرۃ۔ (بحار)	وہ مال کے جمع ہونے کا باعث بس پانچ خصلتیں ہوا کرتی ہیں۔ سخت بخل۔ لمبی آرزوئیں۔ حرص غالب۔ قطع رحم یعنی حقوق اہل قرابت ادا نہ کرنا۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔

نظام اسلامی نے ان تمام فاسد خصائل سے ہر انسان کو پاک رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

بخل کی مذمت

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(آل عمران)

"جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (مال و دولت) میں سے کچھ حصہ دیا ہے اور پھر وہ بخل کرتے ہیں انھیں اس خیال خام میں نہ رہنا چاہیئے کہ یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا۔ بلکہ یہ اُن کے حق میں بہت برا ہے جس (مال) میں وہ لوگ بخل کرتے ہیں اُسی کا طوق بنا کر عنقریب قیامت کے دن اُن کے گلے میں پہنایا جائے گا۔"

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى

(سورۃ اللیل)

"جس نے بخل کیا اور بے نیاز (بے پروا) بنا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اُسے تنگی (و بدحالی) میں ڈال دیں گے۔ اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال اُس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔"

حدیث نبویؐ ہے —

ايّاكم والشحّ فانّه اهلك من كان قبلكم حملهم ان يسفكوا دماءهم ويستحلّوا محارمهم

(جامع السعادات)

"تم بخل کی خصلت سے بچو کیونکہ وہ اگلی امتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکی ہے اُسی نے انھیں خون بہانے اور حرمتوں کو برباد کرنے پر آمادہ کیا تھا۔"

نیز حضرتؐ نے فرمایا:—

البخل شجرة تنبت في النار

"بخل ایک درخت ہے جو دوزخ کی آتشین

ولا یلج النار الا بخیل ط — زمین میں اگتا ہے اور بخیل ہی دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائیگا۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے :-

ادوی الداء البخل ۔ — "بدترین مرض کنجوسی ہے"

البخیل بعید من اللہ بعید من الناس بعید من الجنۃ قریب من النار (جامع السعادات) — "بخیل خدا سے دور ہے انسانوں سے دور، جنت سے دور ہے۔ دوزخ کی آگ سے قریب ہے"

طول امل کی مذمت

ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون ط — "انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو کہ کھائیں (پئیں) اور (دنیا کی چند روزہ زندگی میں) چین کر لیں اور ان کی آرزوئیں انھیں گرفتار غفلت رکھیں عن قریب (اس کا انجام) انھیں معلوم ہو جائیگا"

حدیث نبوی ہے :-

ان اشد ما اخاف علیکم خصلتان اتباع الھوی وطول الامل اما اتباع الھوی فانہ یعدل عن الحق واما طول الامل فانہ یحب الدنیا ۔ — "مجھے تم پر جن باتوں کا خوف ہے ان میں دو خصلتیں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ خواہشوں کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں خواہشوں کی پیروی حق سے پھیر دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں محبت دنیا پیدا کرتی ہیں"

نیز حضرتؐ کی ایک دعا یہ ہے :-

اللھم انی اعوذ بک من دنیا تمنع الاخرۃ واعوذ بک من حیات — "اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس دنیا سے جو آخرت کی سعادت میں رکاوٹ

تمنع خیر الممات و اعوذ بک من امل یمنع خیر الامل۔

(جامع السعادات ص۱۹ ج۲)

بنتی ہو۔ اور اس زندگی سے جو اچھی موت مرنے سے مانع ہو اور اس آرزو سے جو اچھے کاموں سے نہ روکتی ہو۔

اس دعا میں حضرت نے تین چیزوں سے اظہار نفرت فرمایا ہے۔ اور خدا سے پناہ مانگی ہے۔ ایسی دنیا جو خیر آخرت مانع ہو۔ ایسی زندگی دنیا جو اچھی موت مرنے سے روکے۔ ایسی لمبی آرزوئیں جو حسن عمل و خوبی کردار سے مانع ہوں۔

حرص و طمع نہ کرو

لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا

(اے پیغمبرؐ) یا ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو زندگی دنیا کی رونق کے سامان دیئے ہیں تاکہ اس ذریعہ سے ہم اُن کو آزمائیں تم اُن (سامانوں) کی طرف نظریں نہ بڑھاؤ

قطع رحم کی مذمت صلہ رحمی نہ کرنا موجب لعنت خدا ہے

(۱) الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لھم اللعنۃ ولھم سوء الدار۔ (رعد)

وہ لوگ جو خدا کے عہد کو اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن (باہمی تعلقات) کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں قطع کرتے ہیں زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے واسطے برا گھر (دوزخ) ہے

صلہ رحمی کا تاکیدی حکم (۲)

واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ

اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور

بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (نساء)

قطع رحم (قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت میں کوتاہی) کرنے سے بھی (ڈرو) بیشک خدا تمہارا نگراں ہے"

حدیث نبویؐ ہے :-

ان ابغض الاعمال الی اللہ تعالیٰ الشرک باللہ ثم قطیعۃ الرحم۔

(جامع السعادات ص۳۳۳)

"خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کام شرک ہے۔ اور اس کے بعد قطع رحم یعنی حقوق قرابت کو ضائع کر دینا"

قطع رحم باعث تعجیل فنا اور سلب نعمت

جناب امیرؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا

اعوذ باللہ من الذنوب التی تعجل الفناء اس وقت ایک شخص نے اٹھکر پوچھا "کیا ایسے بھی گناہ ہیں جو جلد فنا کر دیتے ہیں! آپؑ نے فرمایا :-

نعم ویلک قطیعۃ الرحم ان اھل البیت لیجتمعون ویتواسون وھم فجرۃ فیرزقھم اللہ عزوجل و ان اھل بیت لیتفرقون ویقطع بعضھم بعضا فیحرمھم اللہ وھم اتقیاء۔

"ہاں قطع رحم ایسا ہی گناہ ہے۔ بعض گھرانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باہم اتفاق رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہتے ہیں تو باوجود اس کے کہ بدکار رہوں۔ خدا اُن کو صلہ رحمی کی بدولت رزق عطا کرتا ہے اور بعض گھرانے والے جو افتراق پسند ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں تو خدا اُن کو رزق سے محروم کر دیتا ہے۔ اگرچہ وہ پرہیزگار رہوں"

صلہ رحمی نہ کرنے سے مال شریروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے

نیز آپؑ نے فرمایا :-

اذا قطعوا الارحام جعلت الاموال فی ایدی الاشرار — "جب لوگ قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے تو اُن کے اموال نصیب اشرار بن جایا کرتے ہیں۔"

اگر بدکار لوگ بھی صلہ رحمی کرتے ہیں تو اس سے ان کی مال و دولت میں زیادتی ہوتی ہے

جناب امیرؑ نے فرمایا:

ان اعجل الطاعات ثوابا لصلۃ الرحم وان القوم لیکونون فجاراً فیتواصلون فتنموا اموالهم ویثرون — (جامع السعادات)

"خدا کی بندگیوں میں جس کا ثواب سب سے زیادہ جلد ملتا ہے وہ صلہ رحم ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد بدکردار ہونے کے باوجود صلہ رحمی و حقوق قرابت کی نگہداشت کرتے ہیں تو ان کے مال و دولت میں افزائش ہوتی ہے اور وہ صاحب ثروت ہو جاتے ہیں۔"

ان احادیث میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ نظام اجتماعی کی خیر و فلاح کا دار جذبۂ صلہ رحمی پر ہے۔ نہ کہ ایمان و کفر پر۔ اگر کافروں میں بھی یہ جذبہ پایا جائے گا تو وہ خوش حالی اور مال و ثروت کے مالک ہو جائیں گے اور اگر اہل ایمان و تقویٰ اس جذبہ سے خالی ہوں گے تو ان کو معاشی تنگی و بدحالی کا سامنا ہوگا۔

در اصل نظام اجتماعی اور تمدن کی بہتری کا ذریعہ جذبۂ تعاون و امداد باہمی ہے اور صلہ رحمی اسی جذبے کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ جذبہ افراد انسان میں نہ ہو تو ان کو دنیوی خوشحالی اور وسعت مال و دولت بھی میسر نہیں ہو سکتی۔ اور جو دولت و ثروت قطع رحم کے ذریعہ سے جمع کی جائے گی۔ اس کا انجام نہ صرف آخرت کی خرابی

بلکہ دنیوی تباہی بھی ہوگا۔

سرکشی اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنیکا انجام۔ مذموم سرمایہ داری کے نتائج!

(۱) وَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی

(نازعات)

"جو شخص حد سے نکل گیا اور اس نے دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) مقدم کیا تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔"

(۲) اِنَّ هٰؤُلَاءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا (دهر)

"یہ لوگ (دنیا کے) جلد ملنے والے نفع سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن اور روز قیامت کو پس پشت چھوڑ بیٹھے ہیں۔"

(۳) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔

"بلکہ تم زندگی دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔"

(۴) مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ۔

"جو شخص دنیا کی منفعت چاہتا ہے ہم اسکو اس میں سے کچھ دیں گے مگر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔"

مذموم سرمایہ داری کے کرشمے اور اس کا انجام بد

(۱) وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ۔ (همزہ)

"ہر عیب لگانے والے چغل خور کی تباہی ہے جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے اُسے یہ خیال ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ باقی رکھیگا۔"

(۲) کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ

"ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (فجر)

کو ترغیب دیتے ہو اور میراث کے مال (حلال و حرام) سب کچھ سمیٹ کر نگل جاتے ہو اور مال کو بے حد عزیز رکھتے ہو۔

(۳) إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (والعادیات)

"یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ یقیناً خود بھی اس پر گواہ ہے اور بے شک وہ مال کا سخت حریص ہے۔"

(۴) يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (الحاقہ)

"اے کاش موت نے میرا کام (ہمیشہ کے لئے) تمام کر دیا ہوتا۔ میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ (ہائے) میرا اقتدار مجھ سے جاتا رہا۔ (پھر حکم خدا ہوگا) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اسے ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز کی ہے خوب جکڑ دو (کیونکہ) یہ نہ تو عظمت والے خدا پر ایمان لاتا تھا۔ اور نہ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔"

(۵) فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ط

"اُن کے مال و اولاد کی (فراوانی) تمہیں تعجب میں نہ ڈالے (کیونکہ) خدا کا ارادہ تو یہ ہے کہ اُن کے مال و اولاد کی بدولت انہیں عذاب میں گرفتار کرے۔"

(۶) وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ

"(اے پیغمبر!) مجھے چھوڑ دو اور ان مال (دار) [illegible]

وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَّجَحِيمًا — جھٹلانے والوں کو (میں اللہ سمجھ لوں گا) انھیں تھوڑی سی مہلت دیدو ہمارے پاس (انکے لئے) بیڑیاں ہیں اور جلانیوالی آگ ہے۔

(امر دوم) جب کوئی نظام معاشی مساوات و عدل کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا اُس کے لئے یہ بھی لازم ہو گا کہ ضروریاتِ زندگی حدِ اعتدال پر رکھے۔ اور غیر ضروری اشیاء کو لوازم زندگی میں داخل کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کرے۔ آج دورِ انقلاب میں ہمارے سامنے زندگی کی مشکلات کا اس لئے بھی ہجوم ہے کہ ہم نے بے ضرورت اشیاء کو بھی ضروریات زندگی میں داخل کرلیا ہے۔ اور بیدل کا یہ شعر ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
انچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

جو نظام معیشت اصول عدل و مساوات پر قائم کیا جائے گا اُس میں لباس، غذا، مسکن اور دیگر اسباب زندگی کی تحدید ضرور ہو گی۔ وہ ہر انسان سے بے جا تعیش۔ افراط راحت طلبی و عشرت پرستی۔ فضول زینت و خود آرائی۔ طفلانہ لہو و لعب سے بچنے اور زندگی کے ساز و سامان کو حدِ اعتدال و دائرہ ضرورت و احتیاج تک محدود رکھنے کا مطالبہ کرے گا۔ اسلامی نظام معیشت نے بھی اس مقصد کے پیش نظر "اصول قناعت" اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اور افراد عیش پرستی و تن پروری کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

(۱) فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي — تو تم انھیں چھوڑدو کہ پڑے بک بک کرتے اور کھیلتے رہیں۔ یہانتک کہ وہ دن

كَانُوا يُوعَدُونَ (زخرف) — اُن کے سامنے آجائے جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے"

(۲) وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ (محمد) — "اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کی زندگی کا لطف پا رہے ہیں۔ اور اس طرح کھاتے (پیتے) ہیں جیسے چار پائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آخرکار) اُن کا ٹھکانا جہنم ہے"

اصول قناعت (۲) اِیّاکُمْ وَفُضُولَ الْمَطْعَمِ "کھانے کے فضول تکلفات سے بچو"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:-

إِنْ كَانَ مَا يَكْفِيكَ يُغْنِيكَ فَأَدْنَى مَا فِيهَا يُغْنِيكَ، وَإِنْ كَانَ مَا يَكْفِيكَ لَا يُغْنِيكَ فَكُلُّ مَا فِيهَا لَا يُغْنِيكَ — "اگر تمہیں بقدر کفایت چیزیں زیادہ سے بے پروا کر سکتی ہیں تو دنیا کی کم سے کم چیز تمہیں کافی ہو سکے گی۔ اور اگر وہ مقدار جو تمہارے لئے کافی ہے تمہیں بے نیاز نہیں کرتی تو دنیا کی ساری چیزیں بھی تمہاری ہوس پوری نہیں کر سکتیں"

حریص را نکند نعمت دو عالم سیر
ہمیشہ آتش سوزندہ اشتہا دارد

"اصول قناعت" اشتراکیت کے اس نظریے سے مختلف نہیں ہے کہ "ہر شخص کو اس کی احتیاج ہی کے مطابق دینا چاہیے" البتہ اس اصول پر عمل درآمد میں دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔ "دینا چاہیے" اور "لینا مناسب ہے" میں جو فرق ہے وہی دونوں کے طریق کار میں نظر آتا ہے۔ اشتراکیت جس نظریے پر قانونی

جبر و تشدد اور تلوار کے زور سے عملدرآمد کرانا چاہتی ہے اُس پر نظام اسلامی رضاکارانہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور در اصل انسان کے اخلاق جوہر صرف اسی صورت میں نکھر سکتے ہیں۔

صرفِ مال میں رعایت اصولِ اقتصاد و اعتدال

جس طرح تحصیل دنیا میں "اجمال فی الطلب" کی طرف ہدایت کی گئی ہے اُسی طرح روزمرہ کے مصارف و مخارج میں بھی "اصولِ اقتصاد و اعتدال" پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس اصول کی اہمیت مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ظاہر ہے:۔

(١) يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (اعراف)

"اے فرزندانِ آدم! ہر نماز کے وقت (اچھے لباس سے بدن کی) آرائش کیا کرو۔ اور کھاؤ پیو (مگر) فضول خرچی نہ کرو (کیونکہ) خدا فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

فضول خرچی کی ممانعت

(٢) وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا وَلَا تَجْعَلْ

"قرابت داروں اور محتاج اور مسافروں کو اُن کا حق دیدو اور فضول ہرگز خرچ نہ کیا کرو کیونکہ فضول خرچ کرنیوالے بے شبہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پالنے والے کا بڑا کافر نعمت ہے۔

اور اگر تمہیں اپنے پروردگار کے فضل و کرم کے انتظار میں جس کی تم کو امید ہے (مجبوراً) ان (بیچاروں) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے

يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا

(اپنی مجبوری) اون کو سمجھا دو اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن سے باندھ کو بہت تنگ کر لو کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو) اور نہ بالکل کھول دو کہ (سب کچھ دیکر) آخر میں ملامت زدہ اور گرفتار حسرت ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

(۳) وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۔ (فرقان)

"اور وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بلکہ) اُن کا خرچ ان دونوں باتوں کے درمیان اوسط درجہ کا ہوا کرتا ہے۔"

(۴) كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۔ (انعام)

"جب یہ پھلیں تو ان کا پھل کھاؤ۔ اور ان چیزوں میں سے کاٹنے کے دن خدا کا حق (جو ان میں ہے) ادا کر دو اور بے جا خرچ نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اسراف و اقتصاد کے حدود

(۱) حدیث نبوی میں ہے:—

(۵) ما عال من اقتصد۔

"جس نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا وہ محتاج نہیں ہوا"

(۶) نیز حضرتؐ کا ارشاد ہے:

من اعطى من غير حق فقد اسرف ومن منع من حق فقد قتر

"جس نے ناحق دیا اوس نے اسراف کیا۔ اور جس نے کوئی حق روکا اوس نے تنگی کی۔"

"اقتصاد" اور "اسراف" کے حدود کی پوری توضیح جناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے ارشاد ذیل میں فرمائی ہے:—

(۷)
عن صادق علیہ السلام قال اتری
اللہ اعطی من اعطی من کرامتہ علیہ
ومنع من منع من ھوان بہ علیہ
لا ولکن المال مال اللہ یضعہ
عند الرجل ودائع وجوز لھم
ان یاکلوا قصداً ویشربوا
قصداً ویلبسوا قصداً وینکحوا
قصداً ویرکبوا قصداً ویعودوا
بما سوی ذلک علی الفقراء المومنین
ویلموا بہ شعثھم فمن فعل ذالک
کان ما یاکل حلالاً ویشرب
حلالاً ویرکب حلالاً وینکح
حلالاً وما عدا ذلک کان حراماً
ثم قال ولا تسرفوا انہ لا یحب
المسرفین اتری اللہ ائتمن
رجلا علی مال خول لہ ان یشتری
فرساً بعشرۃ الاف درھم
یجزیہ فرس بعشرین
درھما الخ (تفسیر صافی صفحہ ۱۹)

جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا جسے نعمت دنیا دیتا ہے تو اس لئے دیتا ہے کہ اُس کی عزت اس کی نگاہ میں ہے۔ اور جسے نہیں دیتا تو اس وجہ سے کہ وہ اس کی نظر میں ذلیل ہے؟ ایسا نہیں ہے مال و دولت تو خدا کی ملکیت ہے وہ آدمیوں کے پاس بطور امانت رکھتا ہے اور اس کی اجازت دیتا ہے کہ اُس سے اپنے لئے کھانے پینے پہننے کا سامان مہیا کریں۔ شادی بیاہ کریں اور سواری کے جانور خریدیں۔ مگر ان تمام باتوں میں اقتصاد و اعتدال کا لحاظ رکھیں۔ اور جو مال اس کے بعد بچ رہے اُس سے باایمان محتاجوں کی مدد کریں۔ اور ان کی پریشان حالی رفع کریں۔ جس آدمی کا یہ طرز عمل ہوگا اُس کا کھانا پینا گھوڑے خریدنا۔ نکاح کرنا حلال ہوگا۔ اور اس کے ماورا حرام ٹھہریگا۔ پھر حضرت نے فرمایا تم لوگ فضول خرچی

نہ کرو۔ خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جس کو خدا نے اپنے مال کا امانت دار بنایا ہے اس پر یہ تفضل اس واسطے فرمایا ہے کہ وہ گھوڑا بیس ہزار درہموں پر خریدے۔ حالانکہ اس کے واسطے بیس درہم قیمت کا گھوڑا کافی ہو سکتا ہے۔"

(۸) نیز حضرتؑ نے فرمایا:۔

انما الاسراف فیما اتلف المال واضر بالبدن۔ (تفسیر صافی)

"اسراف" فقط ان باتوں میں ہوتا ہے جن سے مال فضول تلف ہوتا ہو اور بدن کے لئے مضر ہو۔

(۹) اسحاق بن عمار راوی ہیں:۔

قلت لابی عبد اللّٰہ یکون للمومن عشرۃ اقمصۃ قال نعم قلت عشرون قال نعم قلت ثلاثون قال نعم لیس ھذا من السرف انما السرف ان تجعل ثوب صونک ثوب بذلک۔ (تفسیر برہان)

"میں نے حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ کیا مومن دس قمیصیں رکھ سکتا ہے؟ فرمایا ہاں، میں نے عرض کی کیا بیس قمیصیں بھی؟ فرمایا ہاں، پھر میں نے تیس قمیصوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ ہاں اس کا نام اسراف نہیں ہے اسراف یہ ہے کہ عزت کے خاص مواقع پر پہننے کے کپڑوں کو روزمرہ کا لباس بنا دو۔"

زندگی کا سب سے کامیاب طریقہ

زندگی کے مسائل میں اکتساب وسائلِ معیشت ہی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سوال اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا کہ اقتصادی نقطۂ نظر سے زندگی کا کون سا معیار بہتر ہے؟ آیا نعمات دنیا سے جی بھر کر حیوانوں کی طرح حظ اٹھانا چاہیے اور فلسفۂ زندگی کا مسلک "زیستن برائے خوردن" قرار دے بنا چاہیے یا خدا

کے بے شمار عطیات و نعمات سے ہمہ تن بیزار و دست کش ہو جانا چاہیئے۔ آغاز مضمون میں ہم نے یہ گذارش کی ہے کہ یہ دونوں طریقے خلاف فطرت اور باعث فساد عالم ہیں۔ اور دونوں افراط و تفریط کی طرف لے جاتے ہیں۔ جس کا انجام یہ ہے کہ تمدن اور معاشرت کی حالت ابتر ہو جائے۔ یا قدرت کے ذخیرے فطرت کے خوانے۔ خدا کی نعمتیں اور انسانی قوتیں یوں ہی بے کار، ضایع اور لا حاصل ہو جائیں۔ ان دونوں خلاف اعتدال طریقوں کے درمیان ایک اور طریقہ بھی ہے اور اس کا خلاصہ دو جملوں میں یہ ہے کہ "دنیا کی لذتوں کا لطف اٹھاؤ اور پھر نفس کی خواہشوں پر قابو رکھو"۔ اقتصادی اور معاشی نقطۂ نظر سے بھی زندگی کا سب سے زیادہ کامیاب اور قابل عمل طریقہ ہے۔ دنیا کی نعمات و لذات سے لطف اندوز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں اور زندگی کے معاشی معیار کا مناسب درجہ تک بلند ہونا غناء فطرت ہے اور شکر نعمات الٰہیہ کا بہترین طریقہ بھی مناسب درجہ اقتصادی نظر سے یہ ہے کہ معیار زندگی کی بلندی، تن پروری، عیش پرستی و فضول عشرت طلبی کی حد تک پہونچکر زندگی کے دوسرے اعلیٰ مقاصد کو دل سے محو نہ کر دے۔ باعث فساد اخلاق و خرابی صحت جسمانی نہ ہو۔ اور زندگی کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے حسب مراتب رفع ہونے میں خلل انداز نہ ہو۔

سورۂ اعراف کی آیت منقولہ بالا میں جہاں اسراف سے روکا گیا ہے وہاں اسراف کے ساتھ ہی بدون فاصلہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اس سے مقصود مناسب معیار زندگی کو پست کرنا نہیں ہے فرمایا ہے:-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

"(اے پیغمبرؐ) ان سے کہدو کہ خدا نے زینت کے جو سامان اور کھانے کی جو پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو حرام کرنے والا کون ہے؟"

حاصل کلام ربانی یہ ہے کہ زینت کے سارے سامان اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں خدا ہی کا عطیہ ہیں اور اُس نے ان کو بندوں ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ پھر اُن کو حرام کرنے والا کون ہے؟ ایسا ہے تو اُن کی خلقت کی غرض و غایت ختم ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ اُن کی پیدائش کو حکمت و مصلحت سے خالی ٹھہراتا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا اُن کو اپنے بندوں کے فائدہ کی غرض سے پیدا کرے۔ پھر اُن کے جائز استعمال سے منع فرمائے۔؟

زندگی کے اعلیٰ معیار کو پائدار و برقرار رکھنے ہی کے لیے خرچ میں اعتدال و اقتصاد کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ نیز مقصود شرع یہ بھی ہے کہ اتفاقی ضرورتوں کے لیے اس طرح کچھ مال پس انداز بھی کیا جائے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

لاخیر فی من لا یحب جمع المال۔ "جو آدمی مال جمع کرنا پسند نہیں کرتا اس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔"

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے

سرمایہ دارانہ ذہنیت کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے عہد سے لے کر زمانہ خاتم النبیین تک کتنے ہی انقلاب دنیا میں گذر گئے مگر اس ذہنیت اور اس کے نتائج کبر و غرور، فخر و نخوت۔ قبول حق سے نفرت، باطل سے رغبت میں کوئی تغیر نہ ہوا طوفان نوحؑ بھی ان کو ہمیشہ کے لئے غرق کرنے سے عاجز رہ گیا۔

جن نفوس امارہ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پرورش ہوتی ہے اُن کے نزدیک انسانیت اور اُس کا کمال مادی اسباب ہی میں منحصر ہوا کرتا ہے اُن کی غلط بین نگاہوں میں انسان اور کامل انسان وہی ہو سکتا ہے۔ جس کے پاس زر و جواہر کی کثرت، مال و اسباب۔ حشم و خدم کی فراوانی۔ زخارف دنیوی و سامان معیشت کی افراط، ہو۔ اُن کی پرواز تخیل مادیت کی فضا سے باہر نہیں ہو سکتی۔ وہ دولت و مال کے خزائن عامرہ۔ اطلس و زربفت کے ملبوسات فاخرہ۔ سربفلک عمارتوں اور پُر تکلف غذاؤں ہی کو معیار انسانیت اور معراج کمال انسانی سمجھتے ہیں۔ اور معیار شرافت و مدار عزت اُن کے نزدیک انھیں مادی چیزوں میں منحصر ہوتا ہے۔ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے الہی منصب داروں اور انسانیت کے سچے نمائندوں یعنی عالم بشریت کے مخلص مربیوں کی حقانیت۔ سچائی اور خلوص تسلیم کرنے سے محض اس بنا پر انکار کرتے تھے کہ اُن کے پاس مالی وسعت، اور دنیوی دولت و ثروت کی فراوانی نظر نہیں آتی۔ سونے کے کنگن موتیوں کے ہار اور ملبوسات فاخرہ سے آراستہ نہیں ہیں۔ اُن کی پیروی کرنے والے اُن پر ایمان لانے والے غریب مزدور۔ مفلس و بے مایہ عوام ہیں۔ جناب نوحؑ کی ناصحانہ تبلیغ سرمایہ دار طبقہ میں اسی لئے بے اثر رہی کہ آپ کے ماننے والے اور اطاعت کرنے والے اُن کے نزدیک اراذل یعنی مزدور پیشہ عوام تھے۔

(۱) قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ "تمہاری پیروی کرنے والے تو پست طبقے کے لوگ (مزدور وغیرہ) ہیں پھر ہم تم پر کیا ایمان لائیں"

(۲) فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا "قوم نوحؑ کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنا ہی سا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور

مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ۚ (سورہ ھودؑ)

ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ تمہارے پیرو ہماری قوم کے بس چند رذیل لوگ ہیں (جو بغیر سوچے سمجھے تمہارے ماننے والے بن گئے ہیں) سرسری نظر میں

ان کے قبول ایمان کی شرط یہ تھی کہ غریب طبقے کے لوگوں کو اپنے گرد و پیش سے ہٹادیں۔ جس کا جواب یہ ملا۔

(۱) وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ (شعراء)

"اور میں تو ایمانداروں کو اپنے پاس سے نکالنے والا نہیں۔ (ایمان لانے نہ لانے کا تمہیں اختیار ہے) میں تو صرف (عذاب خدا سے) صاف صاف ڈرانیوالا ہوں"

(۲) يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ (ہودؑ)

"اے میری قوم! میں اس کے بدلے میں تم سے مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو خدا ہی پر ہے اور میں اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں نکال نہیں سکتا۔ وہ یقیناً اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ تم ہی لوگ جہالت و نادانی میں مبتلا ہو"

جناب موسیٰؑ کی نبوت و رسالت تسلیم کرنے سے روکنے والی سرمایہ دارانہ ذہنیت ہی تھی۔ قرآن مجید کا بیان ہے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا

"فرعون نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جو میرے (شاہی محل کے) نیچے بہتی ہیں

الذّهو مُحبیّن ولا یکاد یُبین فلولا اُلقی علیہ اسورۃٌ من ذہب اوجاء معہ الملائکۃ مقترنین

(زخرف)

(میری نہیں) کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل ادنی ہے صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا (اگر یہ خدا کا بھیجا پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر آتے؟"

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

"جناب موسیٰؑ و ہارونؑ علیہما السلام فرعون کے پاس آئے بالوں کا لباس پہنے اور عصا ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے فرعون سے وعدہ کیا کہ اگر اسلام قبول کرے گا تو اس کا ملک باقی اور اعزاز برقرار رکھا جائیگا فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا کہ تم لوگ ان دونوں کی باتوں پر متعجب نہیں ہوتے کہ یہ لوگ مجھ سے بقاء ملک و عزت کا وعدہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ خود ان کی فقیری و ذلت کی جو حالت ہے وہ تمہارے پیش نگاہ ہے ان کو خدا کی طرف سے سونے کے کنگن کیوں نہیں ملے۔ فرعون نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ سونے کی اور اس کے جمع کرنے کی عظمت اس کی نگاہ میں تھی۔ اور لباس صوف کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔"

(نہج البلاغہ)

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کا قبول اطاعت سے انکار

عہد طالوت کے سرمایہ داروں کو اُن کی بادشاہی تسلیم کرنے سے اسی بنا پر انکار تھا کہ اُنکے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی۔

أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

"وہ لوگ کہنے لگے کہ اُس کی حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے۔ حالانکہ مالی فراوانی اس کو نصیب نہیں۔"

ہر پیغمبر کی نبوت ماننے سے اُسکے زمانہ کے امیروں نے انکار کیا

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كَافِرُوْنَ۔ وَقَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ط (سبا)

"ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے بڑے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اُن احکام کے کبھی ماننے والے نہیں جنھیں دے کر تم بھیجے گئے ہو اور اُنھوں نے یہ کہا کہ ہم تو مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم عذاب میں ڈالے جانے والے نہیں۔"

عہد رسالتمآبؐ کے سرمایہ داروں اور سرداروں کی پر غرور ذہنیت

حضرت رسالتمآبؐ کے عہد میں یہ فاسد و جاہلانہ ذہنیت کمال عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ایک طرف تو ساری قوم میں نسلی و طبقاتی مفاخرت و منافرت کا مرض عام تھا۔ دوسری طرف اس مفلس و فلاکت زدہ قوم میں جن لوگوں کو سرداری و سرمایہ داری نصیب تھی اُن کے سر جو غرور و کبر و نخوت فخر و تمکنت سے آسمان ہفتم سے بھی بلند تر ہو رہے تھے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰى أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى ط وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ط

"وہ (مالدار) اتنی بات پر چیں بر جبیں ہو گیا اور رو گردانی ہو بیٹھا کہ اس کے پاس ایک مرد نابینا آ گیا۔ تم کو کیا معلوم شاید وہ

پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت سُنتا۔ اور وہ اس کے لئے سود مند ہوتی۔"

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا۔ "اور مجھے ان دولت مند جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیدو۔"

غربت و افلاس کی ماری عوام سوسائٹی بھی اپنی ذلت و حقارت کی بنا پر مال و دولت ہی کو وجہ شرافت و عزت سمجھنے لگی۔ اسی لئے کہتی تھی۔

لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ "آخر یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔"

نظام اسلام نے ہزاروں برس کی قائم شدہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مفاسد سے دنیا کو بچانے کی سب سے زیادہ موثر تدبیر کی طرف دلیرانہ قدم بڑھایا۔ اور مال و دولت، استغناء و سرمایہ داری کو معیار عزت و شرافت نہیں رکھا اور اعلان عام کر دیا کہ زر و جواہر کے خزانے اُس کی نظر میں بحیثیت معیار عزو شرف درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ تمام بنی آدم اصل خلقت میں برابر ہیں:۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ط "خدا نے تم سب کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔"

النَّاسُ مِنْ جِهَةِ التِّمْثَالِ أَكْفَاءُ

أَبُوهُمْ آدَمُ وَالْأُمُّ حَوَّاءُ

"عزو شرف و کرامت کا مدار ایمان۔ اچھے اعمال اور پرہیزگاری ہے:"

(۱) لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ "عزت تو خدا اور رسولؐ اور ایمانداروں

وللمؤمنین ۔ ... ہی کے لئے ہے۔

(۲) إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ۔ "تم میں سب سے زیادہ باکرامت و باعزت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہے"

(۳) حدیث قدسی میں ہے:-

لَيْسَ الشَّرِيفُ إِلَّا مَنْ شَرَّفَتْهُ طَاعَتِي۔ "شرف والا بس وہی شخص ہے جسے میری بندگی نے شرف بخشا ہو"

(۴) المسلمون إخوةٌ تتكافؤ دماءهم۔ "مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کے خون کی قیمت برابر ہے۔"

زبان اور وطن کو انسانی شرافت و کرامت میں دخل نہیں — وجہ شرافت و مدار کرامت تقوی ہے	جناب رسالتمآب نے فرمایا:-

(۵) ایها الناس ان العربیة لیست باب والد وانما هو لسان ناطق فمن تکلم به فهو عربی الا انکم ولد آدم وآدم من تراب و اکرمکم عند الله اتقاکم — "لوگو! عربیت کا مدار باپ نہیں ہے۔ جو باپ بوسیلۂ پیدائش ہوتا ہے۔ یہ تو ایک زبان ہے جو بولی جاتی ہے۔ جو شخص یہ زبان بولتا ہے وہی عربی ہے۔ لہذا عربی قومیت کا مدار زبان عربی نہیں ہے) تم سب آدم کے بیٹے ہو۔ اور آدم کی اصل خاک ہے۔ تم میں زیادہ کرامت و عزت والا وہ آدمی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو" (بحار جلد ۱۵)

نیز آنحضرتؐ کا یہ ارشاد اس باب میں اسلام کے اصول و نظریات کو واضح کرتا ہے

لاحسب القرشی ولا عربی الا بتواضع ولا کرم الا بتقوی ولا عمل الا بالنیة

ولا عبادۃ الا بتفقہ، "کسی مرد قریشی اور عربی سے وا سطے شرف و عزت نہیں مگر تواضع کی وجہ سے اور کرامت نہیں ہے مگر تقویٰ کی بدولت۔ اور مدار عمل بس نیت ہے اور عبادت بس وہی عبادت ہے جو علم و فہم سے ہو" (بحار جلد ۱۵)

اس اصول مساوات کی بنا پر اسلامی قوانین کی نظر میں سلطان اور خاک روب دونوں بحیثیت انسانیت برابر ہیں۔ دونوں کے خون کا درجہ مساوی ہے۔ سلطنت و حکومت کے جاہ و جلال اور ذخائر و مال و متاع سے کسی بادشاہ کو ایک غریب مزدور پر قدر و قیمت میں امتیاز و تفوق حاصل نہیں ہوتا۔

مفلسوں اور غریبوں کی اخلاقی حالت بلند رکھنے والے ہدایات!

غریب و بے مایہ عوام کی ذہنیت اور اخلاقی حالت کو بلند کرنے کے لئے یہ ہدایات دیئے گئے:۔

(۱) حدیث نبوی میں ہے:۔

من اکرم الغنی لغناہ سمی فی السماوات عدو اللّٰہ وعدو الانبیاء ولا یستجاب لہ دعوۃ ولا یقضی لہ حاجۃ

"جو آدمی کسی مالدار کا اعزاز و اکرام محض اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ صاحب مال و دولت ہے تو وہ آسمانوں میں دشمن خدا دشمن انبیاء کے لقب سے پکارا جاتا ہے اور نہ اس کی دعا بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی حاجت روائی کی جاتی ہے"

(۲) نیز آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:۔

لعن اللّٰہ من اکرم الغنی لغناہ ولا یفعل ذلک الا منافق

"خدا لعنت کرے اس آدمی پر جو مالدار کی اس کے مال و دولت کی وجہ سے تعظیم کرتا ہے اور یہ کام تو بس منافق ہی کا ہوتا ہے"

(۳) جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے :-

ما احسن تواضع الغنی للفقیر رغبۃ فی ثواب اللہ۔ احسن منہ تیہ الفقیر علی الغنی ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ :-

"مالدار کا فقیر سے جھک کر ملنا ثواب خدا کی رغبت میں بہت خوب ہے اور خدا کے بھروسہ پر فقیر کا غنی کے سامنے خودداری دکھانا اُس سے خوب تر ہے۔"

(۴) ارشاد نبویؐ ہے :-

من عظم صاحب دنیا واحبہ لطمع دنیاہ سخط اللہ علیہ

(لئالی الاخبار)

"جو شخص کسی صاحب دنیا کی تعظیم اور اُس سے محبت اُس کی دنیا کی لالچ میں کرتا ہے خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے۔"

(۵) مروی ہے :- سال این اللہ تعالیٰ عند المنکسرۃ قلوبھم۔

(بحار)

"حضرت رسالتمآبؐ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ تو فرمایا اُن لوگوں کے پاس جو شکستہ دل ہیں۔"

ارشاد علوی۔ عوام کی رضامندی خواص کی خوشنودی پر مقدم ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا مفصل فرمان مالک اشتر کے نام نہج البلاغہ میں منقول ہے۔ اس کے چند اقتباسات مناسب مقام یہ ہیں :-

(۱) ان سخط العامۃ یجحف برضی الخاصۃ وان سخط الخاصۃ یغتفر مع رضا العامۃ۔

"عوام کی ناراضی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے۔ اور عوام کی رضامندی کے ساتھ خواص کی ناراضی ناقابل التفات ہوتی ہے۔"

گذشتہ زمانوں کا ذکر نہیں ہے آج بھی دنیا میں جہاں نظام سرمایہ داری چل رہا ہے وہاں کے ارباب حکومت کی نگاہیں سرمایہ داروں ہی کی رضاجوئی پر لگی رہتی ہیں۔ رضامندئ عوام کی انھیں پرداہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ دولت مند اور مالدار طبقے ہی کا اثر ان پر غالب ہوتا ہے۔ اس کا انجام بد ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ غریب دبے چارہ عوام بیدار ہا ہو چکے ہیں۔ احساس خودی اُن کے دلوں میں تڑپنے لگا ہے۔ قوت ضبط و نظم کی بھی کمی نہیں ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف منظم صف آرائی ہو رہی ہے۔ اور طرفین کی اس کشمکش کی بدولت رفتہ رفتہ دنیا امن و سکون کی نعمت سے محروم ہوتی جاتی ہے۔ اگر حکومتیں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اس حکمت عملی پر چلیں تو سرمایہ داری دبے مانگی کی موجودہ کشمکش امن سوز عالم نہ بن سکتی۔

(۲) انما عماد الدین و جماع المسلمین والعدۃ للاعداء العامۃ من الامۃ فلیکن صغوک لھم و میلک معھم۔ — وہ فقط عوام ایسے ہی ہیں جو دین کے ستون اور نظام مسلمین کا دارومدار ہوتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں فوج کا کام دیتے ہیں۔ لہذا اظہار رجحان خاطر اور میل قلب صرف انھیں کی طرف ہونا چاہئے۔

رہنمایان اسلام کیلئے خدا کے مخصوص احکام و ہدایات کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ شاہانہ طریقے اختیار نہ کئے جائیں

غریبوں کی ذہنیت و خیال کو بلند رکھنے اور مفلسی کی کلفت سے بچانے کے واسطے حکومت الٰہیہ و سلطنت ربانیہ کے نمائندوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سادہ سے سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ معیار معیشت ...

ادنیٰ انسانوں کے برابر بلکہ اُن سے بھی کمتر رکھیں۔ نہ امیرانہ جاہ و جلال ہو۔ نہ سرمایہ دارانہ تمکنت، نہ شاہانہ شان و شوکت، نہ حاکمانہ و رئیسانہ طرز زندگی۔ بلکہ وہ مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بے تکلف بیٹھنے والے اور سیرت نبویہ "مسکین جالس مسکینا" پر چلنے والے۔"

آداب شاہانہ کی ممانعت

حضرت ابوذر رض ناقل ہیں :۔

رایت سلمان و بلالاً یقبلان الی النبیؐ اذا انکب سلمان علی قدم رسول اللہؐ یقبلها فزجر النبیؐ عن ذالک ثم قال له یا سلمان لا تصنع لی ما تصنع الاعاجم بملوکها انا عبد من عبید اللہ اٰکل مما یاکل العبد واقعد کما یقعد العبد۔ (بحار جلد ۱۶)

"میں نے دیکھا کہ سلمان رض و بلال رض خدمت نبیؐ میں حاضر ہوئے۔ سلمان جھکے اور قدم مبارک چومنے لگے۔ اس پر حضرتؐ نے انھیں زجر فرمایا اور کہا کہ اے سلمان میرے لئے اس قسم کے تعظیمی برتاؤ نہ کیا کرو۔ جیسے اہل عجم اپنے بادشاہوں کے لئے کرتے ہیں۔ میں خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ غلاموں کی غذا میری غذا ہے اور غلاموں ہی کی طرح سے میرا اٹھنا بیٹھنا ہے۔"

آنحضرتؐ کے سیر و آداب کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

خمس لا ادعهن حتی الممات الاکل علی الحضیض مع العبید و رکوبی الحمار موکفا و حلبی العنز بیدی و لبس الصوف والتسلیم علی الصبیان لتکون سنة من بعدی (بحار جلد ۶)

"میں پانچ باتوں کو مرتے دم تک نہ چھوڑوں گا۔ غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھکر کھانا۔ اور زین کے بغیر گدھے پر سوار ہونا۔ بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہنا۔ بالوں کے کپڑے پہننا اور بچوں کو سلام کرنا تاکہ یہ بات میرے بعد عام سنت بن

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

ان اللہ جعلنی اماماً لخلقہ ففرض علی التقدیر فی نفسی ومطعمی ومشربی وملبسی کضعفاء الناس کی یقتدی الفقیر بفقری ولا یطغی الغنی بغناہ ۔ (اصول کافی)

"خداوند عالم نے مجھے خلق کا امام بنایا ہے تو مجھ پر یہ بات فرض کر دی ہے کہ اپنے ذاتی آسائش اور کھانے پینے - پہننے میں اتنی تنگی کروں کہ طرز زندگی غریبوں کی طرح ہو جائے - تاکہ فقراء میرے فقیرانہ طرز زندگی کی پیروی کریں - اور اغنیاء اپنی مالداری کے بل بوتے پر سرکش نہ بن سکیں"

علامہ مجلسی رح نے اس کلام امام ع کی شرح میں فرمایا ہے :-

"حاصل یہ کہ محتاج جب اپنے امام ع کو دیکھیں گے کہ ادنیٰ درجہ کی معیشت پر راضی ہیں تو وہ بھی اپنی فقیری ومفلسی پر رضامند ہو جائے گا - اسی طرح سرمایہ دار جب ان کو فقیرانہ طرز زندگی میں دیکھے گا تو اس کی سرمایہ داری اس کو سرکشی پر مائل نہ کر سکے گی - اور وہ یہ جانے گا کہ اگر مالداری میں کوئی خیر وخوبی ہوتی تو امام ع اس کے زیادہ اہل ہوتے اور اس خیر وخوبی کو نہ چھوڑتے"

حکومت الٰہیہ کے نمائندوں کے مخصوص فرائض :-

ایک طویل روایت میں ہے :-

فقال عاصم یا امیر المومنین ع فعلی ما اقتصرت فی مطعمک علی الجشوبۃ وفی ملبسک علی الخشونۃ فقال ویحک ان اللہ عز وجل فرض علی الائمۃ العدل

"عاصم نے عرض کی اے امیر المومنین ع! پھر کس وجہ سے آپ نے بے مزہ کھانے اور موٹے کپڑوں پر اکتفا کی ہے؟ تو فرمایا کہ خدا نے ائمہ عدل کا یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ

ان یقدروا انفسهم بضعفة الناس کیلا یتبیغ بالفقیر فقره —

طریقہ زندگی کو ضعیف الحال غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ فقیر دل کو ان کا فقر ہلاک نہ کر دے۔

علامہ مجلسی" اس کلام امامؑ کی شرح میں فرماتے ہیں:—

"یجب علی الامام العادل ان یشبه نفسه فی لباسه و طعامه بضعفة الناس کیلا یهلک الفقراء من الناس فانهم اذا رأوا امامهم بتلک الهیئة و ذلک المطعم کان ادعی لهم الی سلوان لذات الدنیا و الصبر عن شهواتها —

"یعنی امام عادل پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو لباس و غذا میں ضعیف الحال غریبوں سے مشابہ بنائے تاکہ اہل فقر ہلاک نہ ہوں جبکہ وہ دیکھیں گے کہ ان کے امامؑ انہیں کی ہیئت و صورت میں رہتے اور انہیں کے ایسے کھانے کھاتے ہیں تو یہ بات لذات دنیا سے محرومی اور نفسانی خواہشوں پر صبر کرنے پر ان کے لئے وجہ تسلی بنے گی۔ کا داعی اور ذریعہ ہے"

حاکم بصرہ کے نام جناب امیرؑ کا ایک پُر زور فرمان اور ایک مالدار کی دعوت قبول کرنے پر ملامت و خشم نمائی

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کو تحریر فرمایا:—

یا ابن حنیف فقد بلغنی ان رجلا من فتیة اهل البصرة دعاک الی مادبة فاسرعت الیها تستطاب لک الالوان و تنقل

"اے ابن حنیف! مجھے خبر ملی ہے کہ بصرہ کے حوصلہ مندوں نے تمہیں ایک دعوت میں بلایا اور تم جھٹ پٹ وہاں پہنچ گئے طرح طرح کے نفیس کھانے تمہارے

الیک الجفان وما ظننت انک
تجیب الی طعام قوم عائلهم
مجفو وغنیهم مدعو۔

سامنے چنے جاتے تھے اور پیالے
تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے
مجھے تو یہ خیال نہ تھا کہ تم ان قوم کی دعوت
قبول کر لوگے جن کے محتاجوں کو دسترخوان سے دور نکال دیا جاتا ہے
اور اغنیاء کی ضیافت کی جاتی ہے۔"

میرے لیے سیر ہو کر سونا مناسب نہیں جبکہ ملک میں بھوکے پیٹ اور جلتے کلیجے موجود ہوں

اسی فرمان کا آخری حصہ یہ ہے :۔

ولو شئت لاهتدیت الطریق
الی مصفی هذا العسل ولباب هذا
القمح ونسائج هذا القز ولکن هیهات
ان یغلبنی هوای ویقودنی جشعی
الی تخیر الاطعمة ولعل بالحجاز
او الیمامة من لا طمع له فی القرص
ولا عهد له بالشبع او ابیت مبطانا
وحولی بطون غرثی واکباد حری
او اکون کما قال القائل وحسبک
داء ان تبیت ببطنة وحولک
اکباد تحن الی القد اقنع من نفسی

"اگر چاہتا تو میں بھی شہد مصفٰی اور گندم خالص
اور جامہ ہائے ابریشمین کی طرف راہ پا سکتا
تھا لیکن افسوس کا مقام ہوگا کہ میری
خواہش نفس مجھ پر غالب آ جائے۔ اور
حرص مجھے عمدہ کھانے پسند کرنے کی
طرف کھینچ لے جائے۔ درانحالیکہ حجاز
و یمامہ میں ایسے غریب لوگ موجود ہوں
جن کو ایک روٹی کی بھی آس نہ ہو۔ اور
وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ پیٹ بھرنا کسے
کہتے ہیں۔ کیا میں پیٹ بھر کر چین سے
سو رہوں جبکہ بھوکے پیٹ اور جلتے جگر

بان یقال امیر المومنین ؟ ولا اشارکھم فی مکارہ الدھر او اکون اسوۃ لھم فی جشوبۃ العیش۔

(نہج البلاغۃ)

میرے پاس موجود ہوں ؟ کیا میں ویسا بن جاؤں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے " یہی بیماری تمہارے واسطے کافی ہے کہ تم پیٹ بھرے رانوں کو سوؤ۔ درآں حالیکہ تمہارے گرد پیٹ ایسے جگر موجود ہوں جو ایک ایک ٹکڑے گوشت سکے لئے آرزومند و ناکام ہو کیا میں اپنے نفس کے لئے بس اسی بات پر قناعت کر لوں کہ لوگ مجھے "امیر المومنین" کہیں۔ اور زمانہ کی سختیوں میں ان کا شریک حال اور زندگی کی بے مزگیوں میں ان کے لئے لائق پیروی پیشوا نہ بنوں۔"

حضرت امیرؑ نے زمانہ خلافت میں نہ گھر بنوایا نہ کسی کو کوئی جاگیر دی۔

کان فی زمان خلافتہ الظاھرۃ خمس سنین و فی خبر الا ثلاثۃ اشھر و فی ھذہ المدۃ ما وضع اجرۃ علی اجرۃ و لا لبنۃ علی لبنۃ و لا اقطع قطیعۃ و کان قد رقع جبتہ عند الخیاط و رقع فیھا سبعین رقعۃ حتی قال واللہ انی استحیی من راقعھا ان یرقعھا مرۃ اخری۔

"حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کا زمانہ خلافت ظاہری کا پانچ سال یا بعض روایات کی بنا پر اس سے بھی تین مہینہ کم۔ مگر اس میں آپؑ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی نہ کوئی جاگیر عطا کی۔ درزی سے اپنے جبہ میں پیوند سلواتے تھے۔ اور ستر پیوند اس میں ہو چکے تھے تب خود فرمایا کہ مجھے درزی سے اب یہ کہتے شرم آتی ہے کہ ابھی اور پیوند لگائے۔"

حضرت امیر المومنینؑ کا سادہ طرز زندگی سے

کان علیؑ یاکل اکلۃ العبد و یجلس جلسۃ العبد و یاکل علی الحضیض و ینام علی الحضیض وکان یحتطب و یستقی و یکنس۔
(لئالی الاخبار)

حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ "حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح کھاتے تھے۔ غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے زمین پر کھاتے تھے اور زمین ہی پر سوتے تھے۔ خود اپنے ہاتھ سے لکڑیاں لاتے پانی بھرتے گھر میں جھاڑو دیتے تھے"

شاہانہ تعظیم و اجلال کی شدید ترین مخالفت

ذلت پسندی کی ذہنیت غلامانہ رسوم کا سدباب

(قال وقد لقیہ عند مسیرہ الی الشام دھاقین الانبار فترجلوا لہ واشتدوا بین یدیہ) ماھذا الذی صنعتموہ فقالوا خلق منا نعظم بہ امراءنا فقال) واللہ ماینتفع بہ امراءکم وانکم لتشقون علی انفسکم فی دنیاکم وتشقون بہ فی آخرتکم وما اخسر المشقۃ وراءھا العقاب

نہج البلاغہ میں منقول ہے :—

"اثنائے سفر شام انبار کے کچھ زمیندار آ کر ملے، جب سامنے آئے تو تعظیم کے لئے سواریوں سے اتر کر پیدل جلو میں دوڑتے ہوئے چلے۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ کیوں پیادہ اس طرح چلنے لگے؟ انھوں نے عرض کی ہماری خصلت ایسی ہی ہے ہم اپنے امراء کی اسی طرح سے تعظیم کیا کرتے ہیں" یہ سنکر حضرتؑ نے فرمایا۔ تمہاری اس حرکت سے

واسبح الدعة معها الامان من النار۔

تمہارے امیروں کو فائدہ نہیں پہونچتا۔ اور تم اس عادت کی وجہ سے دنیا ہی میں اپنی جانوں کو ناحق تکلیف میں ڈالے ہو۔ اور آخرت میں بدنصیب قرار پاتے ہو۔ اور وہ مشقت جسمانی کتنی نقصان دہ ہے جس کا انجام عذاب آخرت ہو۔ اور وہ بدنی راحت کتنی سود مند ہے۔ جس کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بھی امان نصیب ہو۔"

شارحین نہج البلاغۃ علامہ ابن الحدید اور علامہ ابن میثم نے اس کلام کی شرح میں فرمایا ہے کہ مقصود کلام جناب امیرؑ اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ غیر خدا کے سامنے جھکنا اور خضوع کرنا معصیت ہے۔ غیر خدا کی ایسی تعظیم جو صرف سزاوار خدا ہو جائز نہیں

اسلامی تعلیمات کا رد عمل مسلمانوں کی طرف سے
حضرت رسالتمآبؐ کی چند پیشنگوئیاں جو واقع ہو چکیں

حکومت اور عامۃ الناس کی نظروں میں زر و مال کا معیار عزت و شرافت ہونا ہی دولت طلبی و جمع مال و متاع کی ہوس پیدا کرتا ہے اور مستحق اعزاز و اکرام ہونے کی خواہش ہی ذخائر دولت فراہم کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جب یہ بات نہ رہی تو حب مال و متاع کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ اگر اسلام کا یہ نظریہ دنیا میں قائم رہ جاتا اور اس سے مال و متاع کی قدر و قیمت افراد انسانی کی نگاہ میں گھٹنے کی اس عملی تدبیر کا خود مسلمانوں ہی کی طرف سے رد عمل نہ ہو جاتا تو سرمایہ داری کی فاسد ذہنیت اور اس کے برے ثمرات و نتائج کا عالم سے خاتمہ ہو جاتا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے بدلے ہوئے نظریات

حضرت رسالت پناہؐ کی ان اخبار غیب کے اک اک حرف کی سچائی بہت جلد ظاہر کردی۔ اور عالم اسلامی اُسی بلا میں گرفتار ہو گیا جس سے نجات دلانا اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

(۱) عن رسول اللہ صلعم انہ قال اذا فتحت علیکم فارس والروم ای قوم انتم۔ قال عبد الرحمان بن عوف نکون کما امرنا اللہ۔ قال رسول اللہ او غیر ذلک تتنافسون ثم تتحاسدون ثم تتدابرون ثم تتباغضون اونحو ذلک ثم تنطلقون فی مساکین المہاجرین فتجعلون بعضھم علی رقاب بعض۔ (مسلم کتاب الزھد)

"مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ جب فارس و روم کی فتح تمہیں نصیب ہوگی تو اس وقت تم کس طرح کے لوگ ہوگے؟ عبد الرحمان بن عوف بولے ہم ویسے ہی رہیں گے جیسا حکم الٰہی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں تمہارا حال اسکے خلاف ہوگا۔ تم دنیا کی طرف بے حد راغب ہوگے۔ پھر باہم حسد کروگے پھر تم باہمی تعلقات قطع کردوگے۔ پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے پھر محتاج و غریب مہاجرین کی طرف چلوگے اور بعض کو بعض کی گردن پر سوار کردوگے۔"

حدیث کے آخری جملے "ثم تنطلقون الخ" کے متعلق حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۷ میں ہے۔

(۱) یکفیکم ھذہ الصفات حتی تاخذون حقوق مساکین

"انہیں صفتوں پر اکتفا نہ ہوگی۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہونچے گی کہ مسکین

وابح الدعة معها الامان من   تمہارے امیر ذل کو فائدہ نہیں پہونچتا۔
اور تم اس عادت کی وجہ سے دنیا میں اپنی
النار۔
جانوں کو ناحق تکلیف میں ڈالتے ہو۔ اور آخرت میں بدنصیب قرار پاتے
ہو۔ اور وہ مشقت جسمانی کتنی نقصان دہ ہے جس کا انجام عذاب آخرت
ہو۔ اور وہ بدنی راحت کتنی سود مند ہے۔ جس کے ساتھ دوزخ کی آگ
سے بھی امان نصیب ہو۔"

شارحین نہج البلاغۃ علامہ ابن الحدید اور علامہ ابن میثم نے اس کلام کی
شرح میں فرمایا ہے کہ مقصود کلام جناب امیرؑ اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ غیر خدا کے سامنے
جھکنا اور خضوع کرنا معصیت ہے۔ غیر خدا کی ایسی تعظیم جو صرف سزاوار خدا ہو جائز نہیں

اسلامی تعلیمات کا ردعمل مسلمانوں کی طرف سے
حضرت رسالتمآبؐ کی چند پیشنگوئیاں جو واقع ہو چکیں

حکومت اور عامۃ الناس
کی نظروں میں زر و مال
کا معیار عزت و شرافت ہونا ہی دولت طلبی و جمع مال و متاع کی ہوس پیدا کرتا ہے
اور مستحق اعزاز و اکرام ہونے کی خواہش ہی ذخائر دولت فراہم کرنے کی ترغیب
دیتی ہے۔ جب یہ بات نہ رہی تو حب مال و متاع کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ اگر
اسلام کا یہ نظریہ دنیا میں قائم رہ جاتا اور اس کے مال و متاع کی قدر و قیمت
افراد انسانی کی نگاہ میں گھٹانے کی اس عملی تدبیر کا خود مسلمانوں ہی کی طرف سے
ردعمل نہ ہو جاتا تو سرمایہ داری کی فاسد ذہنیت اور اس کے برے ثمرات
و نتائج کا عالم سے خاتمہ ہو جاتا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے بدلے ہوئے

هٰذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون۔ (توبہ)

پھر اُس سے اُن کی پیشانی۔ پہلوؤں، پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائیگا) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا۔ (اب) اپنے جمع کئے ہوئے خزانے کا مزہ چکھو۔"

ضرورت سے زیادہ زر و مال تمہیں اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کے خزانے جمع کر رکھو

حدیث میں ہے:۔

انما اعطاكم الله هذه الفضول من الاموال لتوجهوها حيث وجهها الله تعالىٰ ولم يعطكم لتكنزوها۔

(تفسیر صافی ص ۲۲۲)

" خدا نے یہ ضرورت سے زیادہ مال تمہیں اس لئے عطا کیا ہے کہ اُسے ادھر صرف کرو جدھر خدا نے حکم دیا ہے۔ اس لئے نہیں دیا ہے کہ اس کے خزانے جمع کر رکھو۔

اُس نے محض اس زبانی تہدید اور اُخروی نتائج کی خرابی سے تخویف ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اس بری عادت کے انسداد کے لئے ایک عملی قدم یہ بھی اُٹھایا ہے کہ سونے چاندی کے سکوں کے ہر اُس ذخیرہ پر زکوٰۃ واجب کر دی جو سال بھر ایک جگہ بند پڑا رہے۔ کسی کاروبار میں نہ لگایا جائے۔

اسلام کے اس قانون کی مصلحت، و غرض ظاہر ہے۔ ایک طرف ذخیرہ اندوزی کی خرابیوں سے بچانا مقصود ہے۔ دوسری طرف کاروبار کی ترقی کے طریقوں کو فروغ دینا جو صرف روپئے کی گردش ہی پر موقوف ہے۔ بند پڑے ہوئے ذخائر سے دنیا

کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ دوسروں کا کیا ذکر خود اُن کے مالک ہی کو اون سے
فائدہ منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے ذخائر مال پر زکوٰۃ فرض کر کے یہ ہدایت کی ہے
کہ اصل فائدہ اون کو کاروبار میں لگانے میں ہے نہ کہ خزانوں کے اندر مقفل رکھنے میں

اسلام کا ایک عام معاشی اصول

دولت کی گردش صرف دولتمندوں کے طبقے میں محدود نہ رہنے پائے

قرآن مجید صاف و صریح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ سرمایے کا طبقۂ اغنیا کے
اندر محدود ہو کر عوام کی نکبت و افلاس و فلاکت کا باعث بن جانا بدترین جرم ہے
جس کا انسداد نظام اسلامی کا اعلیٰ و اہم مقصد ہے۔

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ	جو مال خدا نے اپنے رسول کو گاؤں
أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ	والوں سے بے لڑے دلوایا ہے۔ وہ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ	خدا و رسول (اور رسول کے) قرابتداروں
الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لِكَيْلَا	اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں
يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ	کا ہے تاکہ تم میں سے جو لوگ دولتمند ہیں
(سورہ حشر)	دولت کی گردش ہیر پھر کر انھیں کے
	اندر محدود نہ ہونے پائے۔

زر و مال کے خرچ کی بابت تاکیدی احکام | جس طرح کسب مال و دولت کا حکم
دینے میں اسلامی نظام نے اہتمام خاص ملحوظ رکھا ہے اور اس نظریہ کی ہر ممکن تشریح
کر دی ہے کہ ہر آدمی کو بقدر استطاعت محنت و مشقت برداشت کر کے اپنا معیشت

خود حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح خرچ مال و زر کے تاکیدی احکام بھی جاری کئے ہیں اور خرچ کی مدات بھی بصراحت بتا دی ہیں۔

اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ "مناسب طریقے سے دولت کماؤ اور نفع خلق اللہ کے اعلیٰ مقاصد میں خرچ کرو۔ صرف چند احکام یہاں نقل کیے جاتے ہیں ان سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کا نصب العین کیا ہے؟

(۱) لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(بقرہ آیت ۱۷۷)

"نیکی کچھ یہی بات نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ کو مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیک تو وہ ہے جو خدا اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور غریب مانگنے والوں کو دے اور (لونڈی) غلاموں کے آزاد کرانے میں (صرف کرے) اور نماز کا پابند ہو۔ اور زکوٰۃ دیتا رہے اور عہد و پیمان کرنے کے بعد پورا کرنے والے اور تنگی اور تکلیف اور جہاد کے کٹھن وقت میں ثابت قدم رہنے والے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (ایمان کے دعوی کو) سچ کر دکھایا۔ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔"

اس آیہ مبارکہ میں تمام کمالات انسانیہ مذکور ہیں

عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے جتنے کمالات انسانیہ تصور میں آسکتے ہیں وہ سب اس آیہ مبارکہ میں یکجا جمع کر دیئے گئے ہیں۔ صرف اسی کو پیش نظر رکھکر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا ہر شریعت نصب العین کیا ہے اور وہ انسان کو کمالات و سعادات کے کن اعلیٰ مراتب پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے حضرت رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہے :-

من عمل بهذه الآية فقد استكمل الايمان

"جس نے اس آیت پر عمل کیا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔"

بلند پایہ مفسر جناب ملا محسن فیض کاشانی فرماتے ہیں :-

قيل الاية كما ترى جامعة للكمالات الانسانية باسرها دالة عليها صريحا او ضمنا فانها بكثرتها وتشتتها منحصرة في ثلاثة اشياء صحة الاعتقاد وحسن المعاشرة وتهذيب النفس وقد اشير الى الاول بقوله من آمن الى والنبيين والى الثاني بقوله واتى المال الى وفي الرقاب والى الثالث

"علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت جیسا کہ تم دیکھتے ہو جملہ کمالات انسانی کی جامع ہے اور ان سب کی طرف صریحاً یا ضمناً رہنمائی کرتی ہے اور کمالات انسانیہ تین چیزوں میں منحصر ہیں۔ (اول) صحیح عقائد (دوم) حسن معاشرت (سوم) تہذیب نفس۔ "من آمن" سے لے کر "النبیین" تک قول خداوندی میں پہلی چیز یعنی صحت اعتقاد کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسری چیز

بقوله واقام الصلوٰة الی آخرها ولذلك وصف المستجمع بها بالصدق فانظر الی ایمانه و اعتقاده وبالتقوی اعتبارًا بمعاشرته للخلق ومعاملته مع الحق ۔ (تفسیر صافی ص ۵۲)

یعنی حسن معاشرۃ کا "واتی المال" سے "وفی الرقاب" تک تذکرہ ہے ۔ اور تیسری چیز یعنی تہذیب نفس کا تذکرہ "اقام الصلوٰۃ" سے آخر آیت تک ہے ۔ اور ان صفات کمال کے جامع انسان کا وصف بنظر اس کے ایمان واعتقاد کے "صدق" سے کیا ہے اور خلق کے ساتھ حسن معاشرت اور حق تعالیٰ کے ساتھ خوبی معاملہ کے اعتبار سے اس کو "تقوی" سے موصوف کیا ہے ۔"

مال خدا کا ہے وہی مالک حقیقی ہے

(۲) وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۔ (حدید)

"اور جس مال میں خدا نے تمکو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں (راہ خدا میں) خرچ کرو ۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا اجر ہے ۔"

اس آیہ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسباب معیشت کا مالک حقیقی خدا ہے اور اس نے اپنے نائب کی حیثیت سے بندوں کو عطا فرمایا ہے تاکہ وہ حقداروں تک پہنچائیں ۔

حدیث قدسی ہے

"مال میرا ہے مالدار میرے وکیل ہیں اور فقراء و اہل احتیاج میرے عیال ہیں۔ پھر اگر میرا وکیل میرے عیال کو میرے مال سے خرچ نہ دے گا تو میں اوس کو جہنم میں داخل کر دوں گا۔ اور مجھے اس کی کچھ پروا نہ ہوگی" (بحارالانوار)

مالداروں پر زکوٰۃ و خمس ایسے واجب حقوق کے علاوہ دوسرے انسانی حقوق

(۳) وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "وہ اُن کے اموال میں مانگنے والوں اور محروموں کا معین حق ہے"

اس آیت میں زکوٰۃ و خمس ایسے صدقات واجبہ کا ذکر نہیں جن کا ادا کرنا صاحب مال پر فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ اُن کے علاوہ بھی مالداروں پر انسانی حقوق عاید کئے گئے ہیں۔ انھیں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ روایات ذیل اس پر شاہد ہیں:۔

(الف) بعض صحابہ نے حضرت رسالتمآبؐ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور حق بھی ہے؟ تو فرمایا:۔

نعم بر الرحم اذا ادبرت و صلة الجار المسلم فما امن بی من بات شبعان و جاره المسلم جائع۔ "ہاں صلۂ رحمی اور ہمسایہ سے حسن سلوک۔ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو سیر ہو کر رات کو بسر کرتا ہے جبکہ اُس کا ہمسایہ بھوکا ہے"

نیز دوسری حدیث میں ہے:۔

ما امن بی من بات شبعاناً "مجھ پر وہ شخص ایمان نہیں لایا جو پیٹ

وجاره جائع۔

(لئالی الاخبار)

(ب) ابوبصیر راوی ہیں۔

کنا عند ابی عبداللہ ع ومعنا بعض
اصحاب الاموال فذکروا الزکاۃ
فقال ابوعبداللہ ع ان الزکاۃ
لیس یحمد بها صاحبها انما
هو شئ ظاهر انما هو حقن
به دمه وسمی مسلما ولو ان علیکم
فی اموالکم غیر الزکاۃ فقلت
اصلحک اللہ وما علینا فی اموالنا
غیر الزکاۃ فقال سبحان اللہ
اما تسمع اللہ یقول فی کتابه
وَالَّذِيْنَ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ
مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

بھر کر رات کو سوتا ہے جبکہ اس کا ہمسایہ
بھوکا ہے۔"

(۲) ہم لوگ جناب ابوعبداللہ جعفر صادق
علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے
اور ہمارے ساتھ کچھ دولت مند لوگ
بھی تھے۔ "زکواۃ" کا تذکرہ ہوا تو
حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے
فرمایا کہ زکواۃ پر صاحب زکواۃ مستحق
تعریف وثنا نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک
ظاہر چیز ہے۔ جس کے ذریعہ سے
انسان کا خون محفوظ ہوتا ہے اور
اس کی وجہ سے وہ "مسلم" کہا جاتا ہے
تم پر زکواۃ کے علاوہ بھی مالی حقوق
عاید ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کی ارشاد
ہو۔ زکواۃ کے علاوہ ہمارے اموال میں اور کون سے فرائض
ہم پر عائد ہیں؟ فرمایا سبحان اللہ! کیا تم نے سنا نہیں کہ
خداوند عالم اپنی کتاب میں فرماتا ہے "وَالَّذِيْنَ فِي اَمْوَالِهِمْ الخ۔"

(ج) حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام نے فرمایا:۔

Tafseer. V. Imp

الحق المعلوم الشئ یخرجه من ماله لیس من الزکوٰة ولا من الصدقة المفروضتین فقال له الرجل فما یصنع فقال یصل به رحماً ویقوی به ضعیفاً ویحمل به کلاً او یصل به اخاله فی الله - (الکافی الاخبار) V. Imp

"حق معلوم سے مراد زکوٰۃ یا کوئی اور صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے جسے انسان کو اپنے مال میں سے نکالنا چاہیے - یہ پوچھنے والے نے کہا کہ اس حق کو مال سے نکال کر کیا کرے؟ فرمایا قرابتداروں کو دے کمزوروں کو قوت پہنچائے کسی حاجتمند کا بار اپنے اوپر لے - یا کسی دینی بھائی کی مدد کرے"

محتاجوں کی مالی امداد کی عظمت کا اظہار -

(۳۴) اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؕ

"کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ اللہ یقیناً اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو لیتا ہے - اور یقیناً وہ توبہ کا بڑا قبول کرنیوالا مہربان ہے"

اس آیہ مبارکہ میں یہ کہا گیا ہے کہ خیرات وصدقات جو محتاجوں کو دیے جاتے ہیں وہ خدا کے ہاتھوں میں جاتے ہیں - حدیث نبوی ہے -

ان الصدقة تقع فی ید الله قبل ان تصل الی ید السائل

"صدقہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے قبل اس کے کہ سائل کے ہاتھ میں پہنچے"

یہ انداز بیان محتاجوں اور حقداروں کی مالی امداد کی عظمت واہمیت

ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔

کار خیر کی اہمیت

(۵) وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ط

"اور تم جو کچھ کار خیر میں خرچ کرو گے تو اپنے لئے اور تم خدا کی خوشنودی کی طلب کے سوا اور کام میں خرچ کرتے ہی نہیں اور جو کچھ کار خیر میں خرچ کرو گے (بروز قیامت) تم کو بھر پور مل جائے گا اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔"

بخل کی مذمت

(۶) وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

"جو شخص اپنے نفس کی لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے۔"

(۷) مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ

"جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثل اس دانے کی ہے جس کی سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو (سو سو) دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دونا (بھی) کر دیتا ہے۔"

Imp

کس قسم کے لوگوں پر انفاق کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں چند آیتیں اور روایتیں درج کی جاتی ہیں:۔

ماں باپ کے حقوق

(۱) وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

"اور تمہارے پروردگار کا یہی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔"

مالی امداد کے مستحقین اور اُن کے درجات

(۲) یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ـ

"(اے پیغمبرؐ) یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں (کن لوگوں پر) تو تم ان سے کہو کہ جو کچھ تم نیک کمائی سے خرچ کرنا ہے وہ (تمہارے) ماں باپ اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو اچھا کام کروگے خدا اس سے ضرور واقف ہوگا"

خوددار غریبوں پر خاص نظرِ عنایت

Imp

(۳) لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ط

"(تمہاری طرف سے مالی امداد) خاص ان حاجتمندوں کا حق ہے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہوں اور روئے زمین پر (اگر جانا چاہیں تو) چل نہ سکتے ہوں۔ ناواقف اُن کو امیر سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ لحاظ خودداری کسی سے سوال نہیں کرتے لیکن تم اُن کی صورت ہی سے پہچان جاؤ گے (کہ وہ محتاج و مستحق امداد ہیں اگرچہ) لوگوں سے چمٹ کے سوال نہیں کرتے۔ اور جو کچھ تم مصرفِ خیر میں خرچ کرتے ہو خدا اس کو ضرور جانتا ہے۔"

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ

"مالِ زکوٰۃ (وغیرہ) تو بس فقیروں اور محتاجوں کا حق ہے اور (اُن) کارندوں

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ)

کار جن کے متعلق ان کا وصول کرنا ہے) اور ان کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہو۔ اور غلاموں کو آزاد کرانے اور ان قرضداروں کا قرض ادا کرنے میں (جو نادار ہیں) اور خدا کی راہ میں (جہاد وغیرہ) اور مسافروں کی امداد میں خرچ کرنا چاہیئے (یہ حقوق) خدا کی طرف سے واجب قرار دیئے گئے ہیں اور خدا بڑا عالم اور صاحب حکمت ہے۔"

انسانی حقوق دوسرے کار خیر پر مقدم ہیں

اتی رجل الی النبی ص بدینارین فقال یا رسول اللّٰہ اسبیل ان احمل بهما فی سبیل اللّٰہ قال الک والدان او احدهما قال نعم قال اذهب و انفقهما علی والدیک فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل اللّٰہ فرجع ففعل واتاه بدینارین اخرین فقال یا رسول اللّٰہ قد فعلت وهذان دیناران ارید ان احمل بهما فی سبیل اللّٰہ قال الک ولد قال نعم قال اذهب فانفقهما

(۱) روایت ہے :- "ایک شخص حضرت رسالتمآب ص کی خدمت میں دو اشرفیاں لیکر حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میں ان کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں حضرت ص نے فرمایا۔ کیا تیرے ماں باپ ہیں۔ یا ان میں کوئی ایک؟ اس نے کہا ہاں، تو فرمایا کہ جا اور ان اشرفیوں کو ماں باپ پر خرچ کر یہ بات تیرے حق میں راہ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہوگی۔ وہ گیا اور تعمیل حکم کرکے دوسری دو اشرفیاں لیے ہوئے پھر آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں حکم بجا لایا اور یہ دو اشرفیاں

علی ولدک فهو خیر لک ان تحمل

فاتاه بدینارین اخرین فقال

یا رسول الله قد فعلت وهذان ال

دیناران ارید ان احمل بهما فی

سبیل الله فقال الک زوجة

قال نعم، قال انفقهما علی زوجتک

فهو خیر لک ان تحمل بهما فی سبیل

الله فرجع ففعل فاتاه بدینارین

اخرین فقال یا رسول الله قد

فعلت وهذان الدیناران ارید

ان احمل بهما فی سبیل الله فقال

الک خادم، قال نعم، قال فاذهب

وانفقهما علی خادمک فهو

خیر لک من ان تحمل بهما فی

سبیل الله ففعل فاتاه بدینارین

اخرین فقال یا رسول الله انی ارید ان

احملهما فی سبیل الله فقال احملهما

واعلم بانهما لیسا بافضل من دنانیرک

(امالی الاخبار)

ہیں ان کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہتا ہوں

حضرت نے فرمایا کہ تیرے کوئی لڑکا ہے؟

اُس نے عرض کی ہاں، حضرت نے فرمایا

جا اور ان دیناروں کو اپنے لڑکے پر

خرچ کر یہ بات تیرے لئے بہ نسبت راہ خدا

میں صرف کرنے کے بہتر ہے۔ وہ پلٹا اور

تعمیل ارشاد کر کے دو اشرفیاں لئے ہوئے

پھر حاضر خدمت ہوا اور انھیں راہ خدا

میں خرچ کرنے کی خواہش کی تو حضرت

نے فرمایا کہ تیرے پاس زوجہ ہے؟ اُس نے

کہا ہاں، تو فرمایا کہ جا اور ان دیناروں کو

اپنی زوجہ پر خرچ کر یہ امر تیرے لئے

بہ نسبت راہ خدا میں خرچ کرنے کے

بہتر ہوگا۔ وہ واپس گیا اور بموجب

حکم عمل کر کے دو اشرفیاں لئے ہوئے

پھر آیا اور حسب سابق راہ خدا میں صرف

کرنے کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا

کہ تو کوئی خدمتگار رکھتا ہے؟ اُس نے کہا

ہاں، تو فرمایا کہ جا اور ان کو اپنے خادم

دا حیل ۱۰

پر صرف کر۔ یہ امر تیرے لئے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر ہوگا۔ اس نے اس ارشاد پر عمل کیا۔ اور دو اشرفیاں لئے پھر حاضر خدمت ہوا اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی خواہش کی۔ تو فرمایا۔ اچھا مگر جان لینا کہ یہ دونوں دینار تیرے سابقی دینار دو سے بڑھکر نہ ہونگے۔"

(۲) نیز حدیث نبوی میں ہے:۔

لا صدقۃ و ذو رحم محتاج "وہ صدقہ نہیں جبکہ قرابتدار محتاج ہوں۔"

کس قسم کی چیزوں کو راہِ خدا میں صرف کرنا چاہیئے:۔

کس قسم کی چیزیں صرف چیزیں صرف کرنی چاہئیں اس کے متعلق چند آیات ہیں:۔

(۱) لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۵ "جبکہ تک تم ان چیزوں میں سے جن سے محبت رکھتے ہو خرچ نہ کروگے ہرگز نیکی کا درجہ نہیں پاسکتے۔" (نساء)

(۲) یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اَنفِقُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِیهِ اِلَّا اَن تُغْمِضُوا فِیهِ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیدٌ ۵

"اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے واسطے زمین سے نکالی ہیں (راہِ خدا میں) خرچ کرو۔ اور بری چیز کو (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کا قصد بھی نہ کرو۔ حالانکہ ایسی چیز کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اسکے لینے والے نہیں۔ مگر یہ کہ اس کے لینے میں (عمداً) آنکھ چرا جاؤ اور جان لو کہ خدا بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔"

ارشاد نبوی ہے:۔

(۳) اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ "خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔"

راہ خدا میں دینے کے حدود و قیود کو بھی اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں:۔

اپنے احسانوں کو احسان جتا کر اور دکھ دیکر برباد نہ کرو۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

"اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان جتانے اور (سائل کو) دکھ دینے سے اکارت نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی (خیرات کی) مثال اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو۔ پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے (مٹی کو بہا کر) بالکل صاف چکنی چھوڑ دے۔ ریاکاروں کو اس خیرات میں سے جو انھوں نے کی ہے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا اور خدا کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔"

سچی خیرات کی اعلیٰ مثال

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ فَاَصَابَھَا

"جو لوگ اپنے مال خدا کی رضا جوئی میں اور اپنے دل کے مضبوط اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس (سرسبز) باغ کی سی ہے جو

very important information on successful horticulturing

وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ؕ

کسی اونچی زمین پر لگا ہو پھر اس پر زور کا

مینہ برسے تو وہ دگنے پھل لائے ہے

ریا شرک اصغر ہے

حدیث نبوی ہے:۔

علیکم الشرک الاصغر قیل وما "تم سب سے زیادہ ڈرا دینی چیز جس کا مجھے تم سے

الشرک الاصغر قال الریاء ط ڈر ہے شرک اصغر ہے۔ کسی نے پوچھا کہ

"شرک اصغر" کیا ہے؟ فرمایا "ریاکاری"

چھپی ہوئی خیرات کی فضیلت

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ "اگر تم صدقات کو کھلے طور پر دو تو یہ (بھی)

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ اچھی بات ہے اور اس کو چھپا کر محتاجوں

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے (ایسے

سَيِّاٰتِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ صدقے) تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دینگے

خَبِيْرٌ ؕ اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس سے خبر دار ہے"

اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال غریبوں پر خرچ کرو:۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ "(اے رسول) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ

خدا میں) کیا خرچ کریں تو تم (ان سے) کہو کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے بچے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

العفو هو الوسط من غیر اسراف

ولا اقتار ط "العفو" سے مراد اوسط درجہ ہے جس

میں نہ فضول خرچی ہو نہ تنگ دلی ہے"

نیز امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

"ما فضل عن قوت السنة "العفو" سے مراد وہ مال ہے جو سال بھر کی خرچ خوراک سے بچ رہے"

ایک اور روایت میں ہے :-

"ما فضل عن الاھل والعیال "العفو" سے مراد وہ مال ہے جو اہل و عیال کے خرچ سے بچ رہے"

Note it while giving anything

حد اعتدال کا خیال رکھو۔ راہ خدا میں خرچ کرو مگر ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۵	"خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور نیکی کرو۔ بیشک خدا نیکی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے"

حدیث میں ہے :-

لو ان رجلا انفق ما فی یدیہ فی سبیل اللّٰہ ما کان احسن ولا وفق۔ الیس یقول اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین۔ یعنی المقتصدین ۵ (تفسیر برہان)	"اگر کوئی شخص جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے راہ خدا میں سب خرچ کر ڈالے تو یہ بات کچھ اچھی نہ ہوگی۔ اور نہ مناسب۔ کیا خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ الخ محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خرچ میں اقتصاد و اعتدال اختیار کرتے ہیں"

خیرات میں سب مال و سرمایہ خرچ کرکے خود محتاج نہ بنجاؤ۔ حدیث نبوی ہے :-

یحی احدکم بماله کله یتصدق به ویجلس یتکفف الناس انما الصدقة عن ظهر غنی ها

(کنز العرفان)

"تم میں سے کوئی شخص اپنا تمام مال خیرات میں دے دے کہ مفلس ہو بیٹھے اور لوگوں کے آگے سوال کا ہاتھ پھیلانے لگے (یہ پسندیدہ نہیں ہے) صدقہ تو بس وہی ہے جس سے خوش حالی باقی رہے"

مقصد یہ ہے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے مال کا ایک حصہ مستقبل پر نظر کرتے ہوئے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ صرف کرنے کے بعد بھی کچھ مال پس انداز ہونا چاہیئے تاکہ بوقت حاجت کام آسکے۔ اتنا صرف کر دیا جائے کہ مفلس ہونا پڑے اور دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے۔

حالات انسانی اور نفوس کی قوت صبر وضبط مختلف ہوا کرتی ہے

حالات اور عام نفوس کے اعتبار سے حکم شرع اسلام وہی ہے جو منقولہ بالا آیات واحادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مخصوص حالات اور خواص افراد کے لئے "ایثار علی النفس" اول و افضل قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ باوجود ذاتی حاجت کے دوسروں کو ترجیح دینا اخلاق کا بلند ترین درجۂ کمال ہے۔

ملکۂ ایثار اخلاق کا بلند ترین درجۂ کمال ہے

ارشاد خداوندی ہے:-

"یُؤثِرُونَ عَلیٰ اَنفُسِهِم وَلَو کَانَ بِهِم خَصَاصَةٌ وَمَن یُوقَ شُحَّ نَفسِهِ فَاُولٰئِکَ هُمُ المُفلِحُونَ"

"اگرچہ ان کو ذاتی حاجت سے تنگی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے نفس کو

حرص سے بچا لے گئے وہی اپنی دلی مراد پا دیں گے ۔" (سورہ حشر)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ابان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ؑ کی خدمت میں عرض کی کہ مومن پر مومن کا کیا حق ہے ؟ تو فرمایا :-

یا ابان تقاسمه شطر مالك ثم نظر الی فرأی ما دخلنی فقال یا ابان اما تعلم ان الله قد ذکر المؤثرین علی انفسهم قلت بلیٰ فقال اذا انت قاسمته فلم تؤثره بعد انما انت وهو سواء انما تؤثره اذا اعطیته من النصف الآخر ط

" اے ابان ! تم اپنا مال اوس کے اور اپنے درمیان برابر تقسیم کرو - یہ فرماکر حضرت ؑ نے میری طرف دیکھا - اور میرے دل میں جو خیال آ رہا تھا اس کو محسوس کیا - تو فرمایا اے ابان ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا نے اُن لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں ؟ میں نے عرض کی - جی ہاں مجھے معلوم ہے - تو فرمایا جب تم نے اس برادر مومن کو اپنے مال کا نصف حصہ دیا تو ابھی تم نے ایثار نہیں کیا - کیونکہ ابھی تو تم اور وہ دونوں برابر ہیں - ایثار تو اس وقت ہوگا جب تم اپنے نصف حصہ میں سے بھی اس کو کچھ دیدو ۔"

زندگی میں اپنے ہاتھ سے مستحقین پر مال تقسیم کر دینا اس سے بہتر ہے کہ مرنے کے بعد خیرات کرنیکی وصیت کیجائے

مروی ہے کہ

ان رجلاً شابا من الانصار جمع مالا کثیرا من الحلال لمرض دعاه

" ایک مرد انصاری نے بہت سا مال بطریق حلال جمع کیا اور بیمار ہوا - آنحضرت ؐ ایک جماعت

رسول اللہ ﷺ فی جماعۃ فقال لہ یا رسول
اللہ ﷺ اوصیک ان تتصدق اموالی کلھا
علی الفقراء والمساکین بیدک بعد
وفاتی فقبل رسول اللہ ﷺ وصیتہ فلما
مات امر بنبط اموالہ ثم ذھب فی
دارہ وتصدق اموالہ کلھا بیدہ
فقال الراوی قلت فی نفسی للاغنیاء
خیر الدنیا والآخرۃ فنظر رسول اللہ ﷺ
الی وعلم ما اضمرتہ فاخذ تمرۃ من
مالہ ورفع یدہ حتی ظھر ابطہ ثم
نظر الی فقال اما الذی بیدی فقلت
جعلت فداک تمرۃ واحدۃ من
التمرات فقال والذی ارسلنی بالحق
نبیا صدقا لو تصدق فھذا الرجل بیدہ
تمرۃ واحدۃ لکان خیراً مما تصدق عنہ قسمۃ۔

صحابہ کے ہمراہ اس کی عیادت کو تشریف لائے
تو اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میری وصیت ہے
کہ آپ میری وفات کے بعد میرا کل مال فقیروں
اور محتاجوں پر اپنے ہاتھ سے تصدق کر
دیجئے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی وصیت قبول
فرمائی۔ جب وہ مر گیا تو اس کے تمام مالوں کو
جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور خود اس کے گھر تشریف
لیجا کر اپنے دست مبارک سے محتاجوں پر تقسیم
کر دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی
میں کہا کہ مالداروں کے لئے خیر دنیا و آخرت
دونوں ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے میری طرف
دیکھا اور میرے دلی خیال پر مطلع ہو گئے تھے
آپ نے ایک دانہ خرما ہاتھ میں لیکر بلند کیا،
پھر میری طرف دیکھکر فرمایا کہ میرے ہاتھ میں
کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کی میں آپ ؐ پر فدا
ایک دانہ خرما ہے۔ فرمایا اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا اگر
اس شخص نے اپنے ہاتھ سے ایک دانہ خرما تصدق کر دیا ہوتا تو اس تمام ذخیرے
سے اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ جو میں نے اس کی طرف سے خیرات میں
تقسیم کیا۔"

جو کار خیر وصی کے ذریعہ سے مقصود ہو وہ جیتے جی خود کر جاؤ

جناب امام جعفر صادق علیہ نے فرمایا۔

اعمل جهازك وقدم زادك وكن وصي نفسك ولا تقل لغيرك يبعث اليك بما يصلحك ۵

"اپنا سامان خود مہیا کرو۔ اپنا زاد سفر پہلے بھیجو اپنا وصی آپ بنو (یعنی جو کچھ وصی کے ذریعہ سے کرانا مقصود ہو وہ خود کر جاؤ) کسی غیر سے نہ کہو کہ تمہاری بھلائی کا سامان تمہارے بعد تمہاری طرف بھیجے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:۔

درهم يعطيه الرجل في صحته خير من عتق رقبة عند الموت ط (لئالی الاخبار)

"تندرستی کی حالت میں دیا ہوا ایک درہم بوقت موت ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔"

ماعون یعنی روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کے دینے میں بخل کی شدید مذمت

جو اشیاء روزمرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ اور خانہ داری کے جس ساز و سامان کی حاجت عموماً ہر امیر و غریب کو ہوا کرتی ہے مثلاً پانی نمک۔ آگ۔ چراغ۔ ظروف۔ فرش۔ اور ایسے ہی دیگر اثاث البیت۔ صاحب ضرورت کو ان کے دینے میں بخل کرنا نہایت قابل مذمت فعل قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ وَالَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ط

"ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ اور جو دکھلانے کے کام کرتے ہیں اور وہ معمولی چیزیں روک لیتے ہیں جو عام طور سے درکار ہوتی ہیں۔"

"ماعون" کی تعریف

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:-

"هو ما يتعاور الناس بينهم من الدلو والفاس وما لا يمنع كالماء والملح" "وہ اشیا جن کو لوگ عام طور سے عاریت کے طریقے پر لیا کرتے ہیں۔ مثلاً ڈول، کلہاڑی جیسے کاٹنے کا آلہ اور وہ چیزیں جن پر روک ٹوک نہیں ہے جیسے پانی، نمک"

نیز دوسری روایت ہے:-

"مثل السراج والنار والخمير واشباه ذلك مما يحتاج اليه الناس" (تفسیر صافی) "مثلاً چراغ، آگ، خمیر اور اسی قسم کی وہ چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے"

اسلام کا اصول تقسیم دولت
قانون "تقسیم بالسویہ"

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ "اسلام کا نظام معاشی" زمین اور اس کی پیداوار کو تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور اُن میں حق تصرف تمام انسانوں کے لئے برابر ٹھہراتا ہے۔ اور اس کا عام اصول یہ ہے کہ دنیا کی پیداوار تمام انسانوں پر تقسیم ہونی چاہیئے۔ اور یہ تقسیم مساوات کے اصول پر ہو۔ بانی اسلام نے اپنے زمانہ میں اسی "تقسیم بالسویہ" کے اصول پر عمل فرمایا۔ اور اسی اصول پر عملدرآمد کی بنا پر اپنے جانشینوں کی بھی مدح فرمائی۔

تقسیم بالسویہ کی اہمیت شارع اسلام کی نظر میں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کے ذیل میں ارشاد ہوا۔ "أَقْسَمُهُمْ بِالسَّوِيَّةِ" "وہ سب سے زیادہ برابر تقسیم کرنے والے ہیں"

خاتم الاوصیاء اور اسلام کے آخری امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:۔

ابشرکم بالمهدی یرضی عنه ساکن السماء والارض یقسم المال صحاحا ...... ویملأ قلوب امة محمد غناء

"میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں اُن سے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے بسنے والے سب ہی رضامند ہوں گے۔ وہ مال کو صحیح طور پر تقسیم کریں گے اور امت محمدیہ کے دلوں کو استغناء سے بھر دیں گے"۔

کسی نے دریافت کیا کہ مال کی صحیح تقسیم سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: بالسویۃ بین الناس "تمام انسانوں میں برابر کے حصے تقسیم کرے گا"۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے عہد میں جب طریقۂ نبویہ پر عمل ہوا اور سرمایہ کی تقسیم مساوات کے اصول پر کی گئی تو اونچے طبقے کے صحابہ میں اس طریقہ کار سے ناراضی و برہمی پھیلی تو اُن کے اظہار عتاب و ناراضی پر حضرت نے فرمایا:۔

اصول تقسیم مساوات کے متعلق حضرت امیرؑ کا نقطۂ نظر

اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیه والله ما اطور به ما سمر سمیر وما ام نجم فی السماء نجما لو کان المال لی لسویت بینهم فکیف وانما المال مال الله الا وان اعطاء المال

"کیا مجھے تمہارا یہ حکم ہے کہ (تمہاری) امداد حاصل کرنا چاہوں ان پر ظلم و جور کر کے جن پر حاکم بنایا گیا ہوں؟ (یعنی اُن کا حق مار کر تمہیں زیادہ دوں اور اس چیز سے تمہیں اپنا مددگار بناؤں؟) خدا کی قسم جبتک راتوں کے قصے اور افسانے باقی ہیں اور ایک ستارہ دوسرے کے پیچھے

فی غیر حقہ تبذیر و اسراف و
هو یرفع صاحبه فی الدنیا
ویضعه فی الآخرة۔

چل رہا ہے اس طرح کے طریقے کے قریب
نہ جاؤں گا۔ اگر یہ مال میرا ذاتی مال ہوتا تو
بھی لوگوں پر برابر ہی تقسیم کرتا۔ پھر
جبکہ وہ مال خدا ہے کیونکر مساوات کا لحاظ نہ رکھوں؟ ہاں سمجھ لو!
کہ بغیر استحقاق مال کی بخشش و فیاضی فضول خرچی اور اسراف بیجا
ہے جو اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کرتا ہے مگر آخرت میں پست
و ذلیل کر دیتا ہے۔"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں دنیا کی معاشی پریشانیوں کا سبب سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے

دنیا کے لئے معاشی پریشانی جو عوام کے لئے خوفناک مصیبت بنی رہتی ہے اور
مدارج معیشت میں جو تباہ کن نشیب و فراز پایا جاتا ہے اس کا سبب رہبران اسلام
کی نظر میں سرمایہ کی غیر مساوی تقسیم ہے:۔

جناب امیر المومنین ع نے فرمایا ہے:۔

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی
اموالهم بقدر ما یکفی فقراءهم
فان جاعوا وعروا وجهدوا
فبمنع الاغنیاء (مجلسی جلد ۶ ص ۱۵۵)

بے شبہ خدا نے مالداروں کے سرمایہ مال و
دولت میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے
جس قدر کہ محتاجوں کیلئے کافی ہو سکتا ہے
اب اگر وہ بھوکے ننگے اور خستہ حال
نظر آتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ دولت مند سرمایہ دار

لوگ اُس حق واجب کو ادا نہیں کرتے "

(۴۲) ما اوسع العدل الناس یستغنون — "دامنِ عدل میں کس قدر وسعت ہے اگر عدل

اذا عدل علیھم ۔ (مستدرک) — کیا جائے تو سب لوگ خوش حال ہو جائیں گے"

اسلام کا مقصد انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے

یہ ظاہر ہے کہ انسان سے محبت و دوستی کا ثبوت اخیں عالمگیر اسباب فقر و افلاس کو دفع کر کے دیا جا سکتا ہے ۔ اسلام خداوند عالم کا یہ اعلان عام بنی نوع انسان تک پہنچاتا ہے کہ اُس کا مقصد تم پر اپنے فضل و کرم کی بارش کرنا ہے ۔ جو نظام معیشت اس کی طرف سے جاری کیا جائے گا اس کے متعلق خدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ معیشت میں وسعت و خوشحالی پیدا کرنے والا ہوگا نہ کہ فقر و افلاس کا باعث !

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ عالمگیر افلاس و فقر کی بلا کو دنیا سے ختم کر دیا جائے ۔ اور ایسی صورت پیدا کر دی جائے کہ عالم میں خوشحالی و فراخی معیشت عام ہو جائے ۔ اور کوئی محتاج مبتلائے فلاکت و افلاس باقی نہ رہ جائے ۔

زمانہ حاضرہ کی اشتراکیت جو دنیا کو اپنے معاشی نظام کی خوبیوں پر فریفتہ کرنا چاہتی ہے ۔ وہ قانون ملکیت و حقوق مالکانہ کو ختم کر دینا مدارج معیشت کو برابر اور معاشی سطح کو ہموار بنا دینا دنیا کے ہمہ گیر مرض افلاس کا واحد علاج قرار دیتی ہے ۔

وہ اصول معیشت جو مناسب حال انسان ہو سکتا ہے

اس سے انکار نہیں

کیا جاسکتا کہ وہی اصول حیثیت مناسب حال انسان ہو سکتا ہے جو موافق فطرت ہو
لہٰذا قابل عمل وہی نظام ہو سکتا ہے جو مساوات یا عدم مساوات صرف ایک رخ کو سامنے
رکھ کر دوسرے کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہو۔ یہ درست ہے کہ انسان کی ذاتی قدر
وقیمت مساوی ہے۔ اور وہ بنا بر فطرت مساوی احترام کا حقدار ہے لیکن اسی کے
ساتھ افراد انسان کی استعداد عمل و صلاحیت کار میں فطری اختلاف و تفاوت بھی پایا
جاتا ہے۔ ذہنی و عملی قوتیں تمام انسانوں کی خلقی طور پر یکساں نہیں ہوا کرتیں۔ یہ
قدرتی تفریق تہذیب و تمدن کی رنگا رنگی اور گوناگوں ترقی کا راز اپنے اندر مضمر
رکھتی ہے۔ تمدن و تہذیب کے کمال ارتقاء کے لیے مختلف اعمال و افعال کی
حسب استعداد فطری ضرورت ہے۔ قوتوں اور صلاحیتوں کے تفاوت میں انسان
کا حال حیوانوں سے مختلف ہے۔ حیوانوں کے اعمال اور عملی قوتوں میں یکرنگی پائی
جاتی ہے۔ عالم حیوانیت میں ہر نوع کے تمام افراد طبعی رجحانات اور عملی قوتوں
کے اعتبار سے اختلاف نہیں رکھتے۔ جو کام اور جس طرح کا عمل ایک فرد سے
واقع ہوتا ہے بعینہ ویسا ہی دوسرے افراد بھی کرتے ہیں۔ مگر نوع انسان کی فطرت
صلاحیت عمل اور طبعی رجحانات کی تفریق اور ان کے آثار و نتائج کے تنوع
پر قائم کی گئی ہے۔ جبکہ ہر فرد کی قوت عمل و صلاحیت کار اور رجحان طبع میں
دوسرے سے یک رنگی نہیں ہوتی۔ تو ان اوصاف کے ثمرات بھی لامحالہ
یکساں نہ ہوں گے۔

افراد انسانی کی سعی عمل کے فطری تفاوت کی طرف ارشاد ربانی میں
اشارہ ہے

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى " بے شک تمہاری کوششیں طرح طرح کی ہیں"۔

اور اختلافِ رجحاناتِ طبع و تفاوتِ قوائے عمل کے ثمرات و نتائج کے مختلف ہونے کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے:۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔ ہر شخص اپنے طریق پر عمل کرتا ہے۔

ان اختلافات کی وجہ سے درجاتِ معیشت میں بھی تفاوت پیدا ہو جانا لازمی امر ہے جس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہے۔

Imp

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۔	" ہم نے ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی کو ان کے درمیان تقسیم کی ہے اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کی خدمت میں لگائے"۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فطرت کے اس مصلحت خیز اختلاف کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔

Imp

خالف بين هممهم وارادا تهم وسائر حالاتهم وجعل ذلك قواماً لمعائش الخلق .... ليستعين بعضهم ببعض في ابواب المعائش التي بها صلاح احوالهم	" خدا نے ان کے ارادوں ہمتوں، نکردں اور تمام حالات میں اختلاف قرار دیا ہے اور اس بات کو خلق کے معاشی ذرائع کا دارومدار قرار دیا ہے۔ ......تاکہ ہر شخص دوسرے سے معاشی ضروریات اور وسائل میں مدد لے جو ان کی صلاح حال کا ذریعہ ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں منقولہ بالا آیہ مبارکہ کے متعلق منقول ہے:۔

وهذا من اعظم دلالة الله على التوحيد لانه خالف بين هممهم واراداتهم واهوائهم ليستعين بعضهم على بعض لان احدهم لا يقوم بنفسه لنفسه ...... ولو احتاج كل انسان ان يكون بناءً لنفسه وخياطاً لنفسه وحجاماً لنفسه وجميع الصناعات التي يحتاج اليها لما قام العالم طرفة عين ولكنه عزوجل خالف بين هممهم وذلك اعظم دلالة على التوحيد

(تفسیر برہان)

"یہ بات خدا کی وحدانیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اس نے انسانوں کے ملکات وقوی میں بھی اسی طرح اختلاف پیدا کیا ہے جس طرح ان کی صورتیں۔ ارادے اور خواہشیں مختلف قرار دی ہیں تاکہ ایک دوسرے سے مدد حاصل کر سکے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے ضروریات کا خود کفیل نہیں ہو سکتا...... اگر ہر آدمی اس کا محتاج ہوتا کہ خود اپنا گھر بنانے والا اور کپڑا سینے والا اور حجامت کرنے والا ہو اور اسی طرح وہ تمام صنعتیں خود کرے جن کی اس کو زندگی دنیا میں حاجت ہوتی ہے تو عالم چشم زدن بھی قائم نہ رہ سکے گا ...... لیکن خداوند عالم نے بندوں کے افکار و خیالات الگ الگ بنائے ہیں۔ اور یہ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ان آیات اور اُن کی تفسیروں کا حاصل چند امور ہیں:۔

(اول) تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے اصول تقسیم عمل لازم ہے۔ خداداد استعداد اور قوتوں کے مناسب ضروری کاموں کا ذمہ دار مختلف اشخاص کو ہونا چاہیئے۔ اس کے بغیر دنیا کا نظام چل نہیں سکتا۔

(دوم) اسی ضرورت کے ماتحت قانون قدرت نے انسانی فطرت میں رنگارنگی اور تنوع پیدا کیا ہے قویٰ علم و عمل میں تفاوت قرار دیا ہے۔ طبیعتوں کے رجحانات افکار و خیالات میں اختلاف رکھا ہے۔ ہمتوں۔ حوصلوں۔ قوتوں اور صلاحیتوں میں فطری تفریق قائم کی ہے۔

(سوم) مذکورہ بالا اختلافات کے ثمرات و نتائج بھی میدان عمل میں لامحالہ مختلف ہوں گے۔ اور اس طرح مدارج معیشت کا تفاوت ایک قدرتی ناگزیر امر ہے جو مصلحت نظم عالم کے ماتحت خود خالق کائنات کی مشیت کا تقاضا ہے۔ ان امور کو پیش نظر رکھنے والے اس بات سے انکار کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتے کہ عالم انسانیت کی خیر و بہبود کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ درجات معیشت کے تفاوت کو فطرت ہی کے حدود تک محدود رکھنے کی کوشش کی جائے اور اس کو بالکل ختم کر دینے کی ہر کوشش دراصل سعی تبدیل فطرت انسانی کے مرادف ہوگی۔ جب تک انسان کی فطرت ہی نہ بدل دی جائے اور اس کے اوصاف و حالات کو بہ لحاظ فطرت برابر نہ کر دیا جائے۔ سطح معیشت انسانی کو ہموار و یکساں بنانے کی ہر تدبیر اور خواہش فطرت سے بغاوت اور قدرت سے جنگ قرار پائے گی۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو بلند حوصلہ و ہمت عالی اور بہترین قوت عمل و استعداد رکھنے والوں کو ان کی فطرت کے مطابق سعی و محنت کی اجازت ہی نہ دی جائے۔ یا ان کے لئے ثمرات محنت سے مناسب فائدہ اٹھانا ممنوع قرار دیا جائے۔ اور ان کی محنتوں کے نتائج و ثمرات ان سے زبردستی چھین لئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں خلاف منشائے فطرت اور نوع انسانی پر ظلم صریح ہوں گی۔

یہ ہو سکتا ہے کہ تمام انسانوں کو بڑی بڑی کارگاہوں اور عالی شان عمارتوں میں رکھا جائے اور حکومت کے مصارف سے اُن کو یکساں پرتکلف کھانے کھلائے اور دیدہ زیب لباس پہنائے جائیں۔ اُن کے لئے حکومت کی جانب سے مساوی وظائف یومیہ مقرر کئے جائیں۔ غرض ان کی دنیوی معیشت کی سطح کو ہموار بنانے اور معاش طبقہ داری کو دنیا سے مٹانے کی ہر امکانی تدبیر کر لی جائے۔ مگر اس سے حیات انسانی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان کے فطری قوائے عمل کے ابھارنے میں یہ تدابیر کارگر نہ ہوں گی۔ افراد کی زندگی کچھ نہ کچھ عیش و آرام کی زندگی تو ضرور ہو گی مگر ان میں پُرجوش حرکت عمل پیدا کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔ زندگی کی اُمنگیں محو خواب ہوں گی۔ قدرتی صلاحیتیں اور استعدادیں جمود و خمود کے عالم میں پستی ہوں گی۔

علاوہ اس کے اخلاقی کمالات صرف آزادی عمل ہی کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اخلاق کی تربیت اور کردار کے اعلیٰ معیار کا ظہور خالص مجبوریوں کی صورت میں ناممکن ہے۔ جب دولت کمانے اور خرچ کرنے دونوں باتوں میں مناسب آزادی حاصل نہ ہو تو اخلاقی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس طرح کی زندگی غلامی کی زندگی سے زیادہ مختلف نہ ہوگی۔ مہربان آقا اپنے غلاموں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتا اور بہتر سے بہتر لباس پہناتا ہے۔ مگر وہ اپنی کمائی اور اس کے خرچ پر خود مختار نہیں ہوتے۔ پھر کیا دنیا کے بعض نظامات حاضرہ غلامی کے اسی وصف خصوصی کی طرف دعوت نہیں دیتے؟

جس زندگی میں عمل کا جوش محنت کی اُمنگ۔ کسب کمال کا عزم صمیم۔ ذہنی و جسمانی قوتوں کے سرمایہ کو فعلیت میں لانے کی ہمت بلند موجود نہ ہو وہ حیات انسانی نہیں جہاں سامان معیشت کی فراوانی آزاد نفسی کے اسباب کی فراہمی ہو

مگر کسب ہنر میں فطری جوہر دکھانے کے لئے مناسب میدان عمل نہ ہو۔ اور نہ وہاں کے سامان و اسباب پر حقوق مالکانہ حاصل ہوں۔ وہ جگہ جنت آدمؑ تو ہو سکتی ہے ہماری دنیا بہر صورت نہیں ہو سکتی۔

حاصل کلام یہ کہ اشتراکیت و سرمایہ داری دونوں مخالف فطرت بشری ہونے میں برابر ہیں۔

اسلام کا عام اصول۔ انسان کی قدر و قیمت اس کا حسن عمل ہے

مسلک اعتدال

اس کے نزدیک ہر انسان کی قدر و قیمت وہی ہے جس پر اسلام چلانا چاہتا ہے۔ اور ذاتی اعتبار سے برابر ہے۔ مگر باعتبار اوصاف یہ مساوات تفاوت درجات سے بدل جاتی ہے اس کا عام اصول یہ ہے کہ "قیمۃ کل امرءٍ ما یحسنہ" وہ انسان کی قیمت کا راز اُسی کے حسن عمل میں مضمر ہے"

نیز بنا بر اصول اسلام "حق معیشت" عطیہ خدا ہے جو اس کے بندوں میں برابر تقسیم ہوتا ہے اور "مدارج معیشت" میں انسان کی سعی و محنت کو بھی دخل ہے۔ ان اصول کے ماتحت ایک طرف تو دنیا کی پیداوار کو مباح الاصل قرار دے کر تمام انسانوں کے حقوق انتفاع مساوی قرار دیئے ہیں۔ اور دنیا کے وسیع میدان عمل میں بقدر ہمت و حوصلہ دوڑ دھوپ کا عام حق تسلیم کیا ہے۔ اس باب میں افراد یا جماعتوں کی ترجیح نہیں رکھی ہے۔ اور نہ کوئی امتیازی حق قرار دیا ہے جو دوسروں کو مرحمت ہوا ہو۔

سرمایہ کی تقسیم بالسویہ کا اصول اسلام کا بنیادی اصول ہے جس سے

انحراف بدون ضرورت جرم ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ ہر آدمی کو اس کی محنت کے نتائج و ثمرات میں حق ملکیت بھی عطا کرتا ہے۔ اور اس شخصی حق ملکیت میں دیگر مستحق افراد کے حقوق بھی قائم کرتا ہے۔ وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ وہ جہاں ذاتی قابلیتوں کے بل بوتے پر تحصیل معاش میں دوڑ دھوپ کر کے کامیابی اور ناکامیابی کا تجربہ کرنے کی راہوں کو مسدود نہیں کرتا اور طلب معیشت میں مناسب و معتدل مسابقت کا سدباب روا نہیں رکھتا وہاں ہر فرد انسان کو اس کی یہ ہدایت بھی ہے کہ کامل زندگی تنہائی کی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ فطری طور پر اس کی حیات اجتماعی و تمدنی قرار دی گئی ہے۔ اور اس کی خیر و بہبود فلاح عام سے وابستہ ہے۔ خیر حقیقی یہ ہے کہ اپنے فائدہ کو دوسروں کے مفاد سے الگ نہ قرار دیا جائے۔ اور یہ مسابقت اور دوڑ دھوپ ایسے طریقے پر ہونا چاہیے کہ اس سے دوسروں کا حق تلف نہ ہو۔ بلکہ ان کو فائدہ پہنچے ہر شخص کے لئے ہر قسم کی جائز ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور ہر آدمی اپنی محنت کے ثمرات کا مالک و متصرف ہو۔ ایسا کوئی طبقہ نہ پیدا ہو جائے جو دوسروں کی محنت کے پھل کھائے جبکہ وہ معمولی ضروریات زندگی کیلئے بھی محتاج ہوں۔

نظام اسلامی کے اساسی نظریات

نظام اسلامی مندرجہ ذیل اصول پر قائم ہے۔

(۱) اصنعوا المعروف الی کل احد نان کان اهله والا فانت اهله

"ہر آدمی کے ساتھ ایک سلوک کرو اگر وہ اس کا مستحق ہو تو خیر ورنہ تم اس کے مستحق ہو (کہ نیکی کرو)"

(۲) خیارکم سمحاءکم و شرارکم بخلاءکم

"تم میں بھلے وہ لوگ ہیں جو سخی ہیں اور برے وہ ہیں جو بخیل ہیں"

(۳) ما یعبد اللہ بمثل نقل الاقدام الی بر الاخوان۔ "بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک میں قدم اٹھانے کی ایسی خدا کی کوئی عبادت نہیں اور"

(۴) المومنون فی تبارهم وتراحمهم وتعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی تداعی له سایره بالسهر۔ "مومنین باہمی حسن سلوک اور مہربانی کے برتاؤ میں مثل بدن کے ہیں کہ جب ایک عضو بدن کو کوئی بیماری عارض ہوتی ہے تو تمام اعضا کو اس کی تکلیف سے نیند نہیں آتی۔"

(۵) ان اللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیه۔ "خدا بندہ کا مددگار رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کا مددگار رہتا ہے۔"

(۶) راس العقل بعد الدین التودد الی الناس واصطناع الخیر الی کل احد بر و فاجر۔ "اصل عقل بعد دینداری کے لوگوں کی دوستی و محبت حاصل کرنا ہے اور ہر آدمی کے ساتھ نیکی کرنا ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار۔"

(لئالی الاخبار و مستدرک)

اسلام کسی انسان کو ایسی اقتصادی مسابقت کی اجازت نہیں دیتا

جو دوسروں کے لئے باعث ضرر ہو

فطری صلاحیتوں اور قوتوں کی کمی کی وجہ سے معاشی دوڑ دھوپ اور اقتصادی مسابقت میں پیچھے رہ جانا اور بات ہے۔ اور کسی انسان کا دوسرے انسانوں کی غیر معتدل اور غیر منصفانہ مسابقت کی وجہ سے درماندہ و ضرر رسیدہ ہو جانا دوسرا امر ہے۔ اسلام دوسری صورت کو گوارہ نہیں کرتا۔ کسی انسان کو ایسے

طریقوں سے کسب معاش کی اجازت نہیں جس میں دوسروں کا ضرر ہو۔

رہ گئی پہلی صورت جس کا تعلق کارخانہ تکوین و تقدیر سے ہے تو اس کے متعلق اسلام کی تعلیمات غیر معمولی ہمدردیٔ انسان پر مبنی ہیں اور وہ فطری صلاحیت کی کمی یا قدرتی موانع کی وجہ سے معاشی دوڑ دھوپ میں ناکام رہ جانے والوں کو اُن کی حالت بیچارگی و درماندگی میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ حکومت اسلامی اُن کے تکفل کا بار اپنے ذمہ لیتی ہے نیز کامیاب افراد کو اپنے مکسوبہ سامان معیشت میں اُنھیں باعزت شریک قرار دینے پر مامور کرتی ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے مالک اشتر والی مصر کو اپنے ایک طویل فرمان میں ہدایت فرمائی:۔

ثم الله الله فی الطبقة السفلی من الذین لا حیلة لهم والمساکین والمحتاجین واهل البوسی والزمنی فان فی هذه الطبقة قانعا ومعترا احفظ الله ما استحفظک من حقه فیهم واجعل لهم قسما من بیت مالک وقسما من غلات صوافی الاسلام فی کل بلد فان للاقصی منهم مثل الذی للادنی وکل من استرعیت حقه فلا یشغلنک

"پھر خدا سے ڈرو اُس ادنیٰ طبقے کے بارے میں جو بے چارہ غریبوں۔ مسکینوں۔ محتاجوں اور آفت رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس طبقے میں قناعت پیشہ فقیر اور مانگنے والے محتاج (دونوں ہی طرح کے) لوگ ہیں۔ اور اُس کے بارے میں خدا کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی نگہداشت کا اُس نے تم کو حکم دیا ہے اور اُن کے لئے بیت المال اور خاص نواح اسلام کی اُن زمینوں کے غلات میں سے جو

عنهم بطر ...... فاعذر
الی الله فی تادیة حقه الیه و
تعهد اهل الیتیم وذوی المرقة
فی السن ممن لاحیلة له ولا ینصب
للمسئلة نفسه و ذلک علی
الولاة ثقیل وقد یخففه الله۔

غنیمت میں حاصل ہوئی ہیں ہر شہر کا ایک
حصہ معین کردو کیونکہ ان میں سے دور
سے مقامات میں بسنے والوں کا بھی ویسا
ہی حق ہے جیسا قریب رہنے والوں کا
ہے اور تم ہر ایک کے حق کے نگراں بنائے
گئے ہو۔ یہ تمہیں (دولت و حکومت کا)
گھمنڈ اُن سے غافل نہ کرنے پائے ۔ .... اور تم ہر ایک کا حق
اُس تک پہونچا کر خدا کے سامنے (پیش کرنے) کے لئے عذر مہیا کرلو۔
اُن یتیموں اور بوڑھوں کی خبرگیری کرو۔ جو نہ خود اپنی مجبوری کا کوئی
چارۂ کار رکھتے۔ اور نہ سائل بن کر دوسروں کے سامنے کھڑے ہوتے
ہیں۔ یہ بات عام طور سے حاکموں پر گراں ہوتی ہے۔ اور کبھی اللہ اس کو
آسان بنا دیتا ہے "۔

(ط) فقر و افلاس کو مٹانا اسلام کا عظیم ترین مقصد ہے

اسلام کا نظام معاشی اگرچہ مدارج معیشت میں تفاوت
جائز رکھتا ہے کیونکہ وہ فطرت کا تقاضا ہے اور اس سے اختلاف فطرت سے بغاوت
ہے۔ مگر اس نے اس کا مکمل بندوبست کر دیا ہے کہ نظام اسلامی کے تحت کوئی
انسان تنگدست اور ضروریات زندگی کے لئے محتاج نہ رہے۔ دنیا سے فقر و فاقہ
غربت و افلاس کو مٹانا اور خوشحالی و فارغ البالی کو عام کرنا اُس کا عظیم ترین مقصد
اور نصب العین ہے۔

حاجتمندوں کی قسمیں اور اُن کی امداد کا مکمل بندوبست

حدیث میں ہے:۔

"ان اللہ لم یترک شیئاً من صنوف الاموال الا وقد قسمہ و اعطی کل ذی حق حقہ الخاصۃ والعامۃ و الفقراء و المساکین و کل صنف من صنوف الناس"

خدا نے کسی قسم کے مال کو تقسیم کے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ خواص و عوام فقراء و مساکین اور ہر طبقے کے لوگوں میں سے جس کا جو حق تھا وہ اسے عطا کر دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

لان فقراء الناس جعل ارزاقھم فی اموال الناس علی ثمانیۃ ولم یبق منھم احد و جعل لفقراء قرابات النبیؐ نصف الخمس فاغناھم بہ عن صدقات الناس فلم یبق فقیر من فقراء الناس ولم یبق فقیر من فقراء قرابات النبیؐ الا وقد استغنی ولا فقیر الخ (تہذیب الاحکام)

"عام حاجت مندوں کی آٹھ قسمیں قرار دیں اور لوگوں سے (بعنوان زکوٰۃ) حاصل شدہ مالوں میں ان کے رزق مقرر کئے ان حاجتمندوں میں کوئی باقی نہ رہا جس کا حصہ معین نہ کر دیا ہو اور جناب رسالتمآبؐ کے قرابت داروں کے لئے مال خمس کا آدھا حصہ قرار دیا ہے۔ اور اس طریقہ سے ان کو عوام ناس کے صدقات سے بے نیاز کر دیا ہے۔ لہذا نہ عام فقیروں میں سے کوئی ایسا فقیر رہ گیا اور نہ قرابتداران رسولؐ میں سے کوئی محتاج ایسا باقی رہا جس کو مستغنی نہ کر دیا ہو۔"

معلوم ہوا کہ اگر نظام اسلامی پر دنیا میں صحیح عمل درآمد ہو تو فقر و افلاس کی

کلفتیں باقی نہیں رہ سکتیں - اور درجات کا یہ قابل نفرت تفاوت قائم نہیں رہ سکتا کہ ایک محدود طبقے کی خلاف انسانیت ہوس پرستی اور حریصانہ دولت طلبی کی بدولت عام بندگان خدا ننگے بھوکے بے خانماں و بے سرو سامان ہیں -

فطری طور پر ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ درجات معیشت کو برابر کر کے سب کو امیر، یا سب کو غریب بنا دیا جائے - بلکہ ضروری کام یہ ہے کہ تمام بندگان خدا کو غذا ولباس و مسکن حسب ضرورت نصیب ہو - فکر معاش میں کسی کی زندگی وبال نہ ہو - ہر فرد انسان کو ضروریات زندگی بافراغت میسر آئیں - نظام اسلامی اس کام کا کفیل اور ذمہ دار ہے - اس کے ماتحت عالم انسانیت معاشی کشمکش سے نجات پا سکتا ہے -

نظام اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تقسیم دولت اس کا نہایت ضروری اور عظیم الشان مقصد ہے - جسے وہ فطری اصول کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے - نہ کہ غیر فطری طریقوں سے اور زمانہ حاضرہ کے نظام اشتراکیت کے مقابلہ میں یہ اس کی نمایاں خصوصیت ہے -

سرمایہ داری واشتراکیت کا اسلام سے موازنہ

نظام سرمایہ داری جس کے لئے زمانہ حاضرہ میں "جمہوریت" کی پر فریب اصطلاح قرار دی گئی ہے، انسان کی خود غرضی - ہوا پرستی حرص و آز اور طول امل کی غیر محدود جولانگاہ اور بے پایاں میدان عمل ہے - سرمایہ دارانہ ذہنیت صرف زمین اور راس المال سرمایہ کی قیمت قرار دیتی ہے - انسان کی محنت وعمل کی اس کی دنیا میں کوئی قدر وقیمت نہیں - اس دنیا میں شخصی خیر اور ذاتی منفعت کو عام اجتماعی بہبود سے متوافق بنانے کی پرواہ نہیں کی جاتی -

ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر شئے کا ایک انجام ہوا کرتا ہے۔ سرمایہ داروں کی چیرہ دستی خواہشِ قہر و غلبہ اور انسانی ہمدردی سے بیگانگی۔ حقوق عوام سے بے پروائی کا ردعمل شروع ہوا۔ عوام کے سینے آتشکدۂ جذباتِ انتقام بن گئے نظامِ اشتراکیت مرتب ہوا۔ اور نظامِ سرمایہ داری سے اس کی جنگ کا آغاز ہوگیا۔ اور آج ہماری دنیا پر اس جنگ کے ہولناک خطرات چھائے ہوئے ہیں۔

اس نظام جدید یعنی اشتراکیت کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے والے اس کا اقرار کرنے پر مجبور رہیں کہ اُس کی بنیاد نوع انسانی کی خیر طلبی سے زیادہ سراسر غیر معتدل جذبۂ انتقام پر قائم کی گئی ہے۔ اس نے اس شعلہ فشاں جذبے کے ماتحت "زمین" اور "اصل سرمایہ" کو بحیثیت عاملِ پیدائشِ سامانِ معیشت درجۂ اعتبار سے بالکل ساقط کر دیا ہے۔ صرف "محنت" اشیاء کی قدر و قیمت کی بنیاد قرار دی گئی۔ اُس کی نظر میں قدر و قیمت "فقط محنت" ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نظریہ پر بھی بے اعتدالی کا سایہ پڑا۔ یعنی محنت بھی اصولِ اشتراکیت کی نظر میں ناگزیر احتیاج زندگی ہی کا ایک ہلکا سا حق پیدا کرتی ہے۔ جس کو حق ملکیت نہیں کہہ سکتے۔

جذبۂ انتقام کی افراط شعلہ فشانی نے نہ صرف سرمایہ داری کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ شخصی ملکیت کے حق کا استیصال کر کے وہ فطرت کے خلاف بھی برسرِ پیکار ہے۔ اگر اشتعال جذبۂ انتقام نے عقل کو فکر صحیح سے عاجز نہ کر دیا ہوتا تو یہ بات چھپی نہ رہ جاتی۔ کہ کسی بیمار عضو کی بہتر تدبیر علاج یہ نہیں ہے کہ اس کو کاٹ دیا جائے۔ بلکہ مناسب فطرت علاج یہ ہے کہ اُس کو برقرار رکھتے ہوئے صحت مند بنایا جائے۔ دراصل انفرادی و شخصی حقوق ملکیت باعث فساد نظام معیشت

بلکہ اُن کی لاانتہا فراوانی، طغیانی اور اعتدال و توازن کا فقدان تمام مفاسد کا اصلی
سبب ہے۔ حقوق ملکیت کا استیصال کرنا انسان کے افکار و ہمم اور قوائے عمل
کو دعوت جمود و تعطل دینا ہے اور فطرت کے خلاف جنگ مول لینا ہے۔

(معلوم ہوا ہے کہ حق تصنیف میں ملکیت بلکہ وراثت کو اب تسلیم کرلیا گیا ہے
ممکن ہے مستقبل اور ترقی کرے۔ ناشر)

ضرورت اس بات کی ہے کہ حقوق ملکیت شخصی و انفرادی اور شخصیت عمومی و اجتماعی میں
اعتدال و توازن برقرار رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ اسی صورت سے صلاحِ حال خاص و
عام ممکن ہے مگر اس قسم کا عادلانہ نظام قائم کرنا بہت حرص و ہوا کے پرستار اور جذبۂ انتقام
کے طوفانی جہازوں میں سوار انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

اسلام الٰہی نظام ہے وہ سرمایہ دارانہ مفاسد اور اشتراکیت کے مخالف
فطرت رجحانات، دونوں کا سدِّ باب کرتا ہے۔ گہری نظر سے اس کا مشاہدہ کرنیوالے
یہ محسوس کرلیں گے کہ وہ نظامات عالم کی خوبیوں کا حامل اور اُن کی جملہ فساد انگیز
بے اعتدالیوں سے پاک ہے۔ وہ جہاں شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے وہاں اس سے
پیدا ہونے والی فساد کی راہ بھی بند کرتا ہے۔ اور جہاں اشتراکی مساوات کا
نظریہ قائم کرتا ہے وہاں اس کا بندوبست بھی کرتا ہے کہ فطرت سے بغاوت
اور قدرت سے جنگ لازم نہ آئے۔ قرآن مجید۔ احادیث اور فقہ اسلام کی
کتابیں موجود ہیں۔ ان سے اس نظام کی جامعیت و اعتدال پسندی کا اندازہ کیا
جا سکتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں عام وسائل معیشت کے متعلق حرف چند
عام اصول کا تذکرہ ممکن ہے۔

قرآن مجید اور معاشیات اگرچہ قرآن مجید میں معاشیات کے موضوع پر تفصیل بحث نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ معاشیات کی مستقل کتاب نہیں ہے۔ پھر بھی انسان کے لئے جتنے وسائل معاش ہو سکتے ہیں اُن سب کو پانچ قسموں میں جمع کر دیا ہے۔ اور ہر ایک کی جانب صراحۃً یا اشارۃً انسان کو توجہ دلائی ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

اما ما جاء فی القرآن من ذکر معایش الخلق واسبابھا فقد اعلمنا سبحانہ ذلک من خمسۃ اوجہ وجہ الامارۃ ووجہ العمارۃ ووجہ الاجارۃ ووجہ التجارۃ ووجہ الصدقات -

"قرآن مجید میں معاش خلق کے وسائل واسباب کا تذکرہ جو کچھ آیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے اُن اسباب و وسائل کے پانچ وجوہ قرار دیئے ہیں وجہ امارۃ - وجہ عمارۃ - وجہ اجارۃ وجہ تجارت - وجہ صدقات "

وجہ امارت و وسیلۂ حکومت وجہ الامارۃ سے حضرتؑ کا مقصد یہ ہے کہ حکومت و سلطنت کا نظم ونسق اور خدمت ملک وملت بھی معاش کا ایک ذریعہ ہے اس مطلب کی پوری توضیح تو اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اسلامی نظریہ حکومت وامارت کو زیر بحث لایئے - جو اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے - تاہم صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسلام دنیا میں کس قسم کی حکومت پسند کرتا ہے - اور کس طرح کی حکومت سے اسکو نفرت ہے -

طرز حکومت کے متعلق اسلام کا عام نظریہ - اسلام کی پسندیدہ حکومت

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ "یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم انھیں زمین میں

اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ط (حج)

طاقت دیدیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ وہ زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

اسلام کی نظر میں قابل نفرت حکومت کے اوصاف

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَھَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِھَادُ (بقرہ)

"اور جب حاکم بنتا ہے تو زمین میں اس کی ادھر اُدھر دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے۔ اور کھیتی اور نسل (انسانی وحیوانی) کو ہلاک کر ڈالے اور خدا فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو اس کو عزت (کا جھوٹا فخر وغرور) پکڑ کر گناہ میں لگا دیتا ہے۔ تو اس کے لئے دوزخ ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بری جگہ ہے۔"

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول
تعاون علی البر والتقوٰی

ایک عام قرآنی اصول جو تمام وسائل معیشت کے اندر جاری وساری ہے یہ ہے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ

"کسی قوم کی یہ دشمنی کہ اُن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام (میں جانے) سے روکا تمکو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس پر) زیادتی

وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ہ (مائدہ)

کرنے لگو۔ اور (تمہارا تو یہ طریقہ ہونا چاہیے) کہ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک خدا (بدی کی) سخت سزا دینے والا ہے۔"

وجہ عمارۃ" یعنی زمین کی آبادکاری کے ذریعے معاش حاصل کرنا

"وجہ عمارۃ" کے متعلق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :-

واما وجہ العمارۃ فقولہ ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیہا فاعلمنا سبحانہ قد امرھم بالعمارۃ لیکون ذلک سببا لمعاشھم بما یخرج من الارض من الحب والثمرات وما شاکل ذلک مما جعلہ اللّٰہ تعالیٰ معائش للخلق (بحار)

"وجہ عمارۃ" یعنی آبادکاری کے ذریعے بارے میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ ھُوَ انشاکم من الارض واستعمرکم فیہا۔ (اسی خدا) نے تم کو زمین پر پیدا کیا اور تمکو اسی میں بسایا۔ خداوند عالم نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں کو اس کا یہ حکم ہے کہ زمین کو آباد کریں۔ تاکہ زمین سے پیدا ہونے والے غلے اور پھل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں خلق کے لیئے اسباب معیشت بنیں۔"

حاصل کلام امام یہ ہے کہ زمین معاش انسانی کا مخزن ہے۔ خداوند عالم نے کھیتی کرنے باغ لگانے، اور ان شریف طریقوں سے معاش حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور کلام ربانی "ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا" یہی اس مختار

خداوندی کا اظہار اور اسی امر ربانی کا اعلان ہے۔

زمین اور زراعت | زمین کے متعلق اسلام کے معاشی نظام کا نصب العین اشتراکی

ہے اور وہ مندرجہ ذیل اصول پر قائم کیا گیا ہے :-

اول :- الارض للہ - "وہ زمین خدا کی ہے-"

دوم :- الخلق عیال اللہ "خلق عیال خدا ہے - اور خلق اللہ میں خدا

فاحب الخلق الی اللہ من نفع عیال کو سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے

اللہ - (مستدرک الوسائل) جو عیال خدا کو نفع پہونچائے۔"

سوم - بندگان خدا کو ضرر پہونچانے سے بڑا کوئی شر نہیں :-

ارشاد نبوی ہے :-

خصلتان لیس فوقھما شر الشرک "دو بری عادتیں ایسی ہیں جن سے بالاتر

باللہ والاضرار لعباد اللہ - کوئی اور شر نہیں (۱) شرک باللہ - (۲) بندگان

خدا کو ضرر پہنچانا۔"

چہارم - انسان کی محنت اور اس کا عمل قابل احترام ہے اور اُس کو اپنی محنت

کے پھل سے صرف انتفاع ہی کا مجاز نہ کیا جائے - بلکہ اسے ہر مالکانہ حیثیت سے ہر طرح

کے تصرف کا حق ملنا چاہئے اشتراکیت کی سب سے بڑی پست نظری یہ ہے کہ وہ دنیا

کو انسان کے لئے جنت آدم بنانا چاہتی ہے - جہاں اجازت انتفاع تو ہو مگر حق ملکیت و

تصرف مالکانہ شجرہ ممنوعہ ہو - اس کے برعکس اسلام انسان کو یہ بتاتا ہے کہ تم آخرت کی

طرح دنیا کے بھی مالک ہو دنیا میدان عمل ہے - بقدر حوصلہ حدود مقررہ کے

اندرسی محنت کرو گے۔ تو اس کے ثمرات کے تم مالک ہو گے۔

دوسروں کے ثمرات محنت پر دست درازی کا سدباب کرنے والے اصول

دنیا کے میدان عمل میں دوسروں کی محنت کے ثمرات پر دست درازی کا سدباب کرنے کے لئے دو اصول بتائے:۔

اول:۔ لیس للانسان الا ما سعی۔ "انسان کیلئے بس وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"

دوم:۔ من سبق الی مالم یسبقہ الیہ مسلم فھو احق بہ "جو آدمی اس چیز کی طرف سبقت کر جائے جس پر اس سے پہلے کوئی فرد مسلم سابق نہ ہوا ہو تو وہ اس چیز کا زیادہ حق دار قرار دیا جائے گا"

زمین کے اقسام اور ان کے احکام

پہلی قسم "موات بالاصالۃ"

شریعت اسلام میں باعتبار حالات زمین کی کئی قسمیں قرار دیکر ہر ایک کے احکام جداگانہ بیان کئے گئے ہیں:۔

کتاب مکاسب میں ہے:۔

الارض اما موات واما عامرۃ وکل منھا اما اصلیۃ او عرضی لہا فلذلک فالاقسام اربعۃ لاخامس لہا۔

"زمین بنجر (غیر آباد یونہی) ہے یا آباد ہے۔ اور یہ دونوں وصف اس کے اصلی ہیں یا عارضی ہوتے ہیں۔ لہذا زمین کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ پانچویں کوئی قسم نہیں ہے"

پھر ہر قسم کی تعریف اور اسکا حکم شرعی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اول ماکان موات بالاصالۃ بان لم تکن مسبوقۃ بالعمارۃ

"پہلی قسم وہ زمین ہے جو اصالۃً بنجر ہو۔ اور وہ آباد ہونے کے بعد وہ نہ ہوئی ہو

ولا اشکال ولا خلاف مالی کونھا — اس میں کوئی اشکال ہے اور نہ اختلاف کہ

للامام نعم ابیح التصرف فیھا — اس طرح کی زمین امامؑ کی ملکیت ہوگی۔

بالاحیاء بلا عوض ۱۵ — ہاں اس میں بغیر کسی عوض کے تصرف آبادکاری کے

ذریعہ مباح ہوگا"

اس کلام سے دو باتیں ظاہر ہوئیں :۔

(۱) "موات بالاصالۃ" وہ زمین ہے جو ابتدا سے بنجر اور ویران ہو۔ اور کسی کی مملوکہ ومقبوضہ نہ ہو۔

(۲) اس طرح کی زمین قانونی طور پر خدا کے حکم سے نمائندۂ حکومت الٰہیہ یعنی رسولؐ۔ اور آپؐ کے جانشین امامؑ کی ملکیت ہوگی۔ مگر اس کو آباد کرنے اور مزرعہ بنانے اور اس سے منتفع ہونے کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت عام ہے اور اس پر احادیث نبویہ شاہد ہیں۔

غیر آباد یعنی بنجر زمین کے معاملہ میں اسلام کا نظریۂ اشتراکی

موتات الارض للہ ولرسولہ — "بنجر زمین در اصل خدا و رسولؐ کی ملکیت

ثم ھی لکم منی ایھا المسلمون ۱۵ — ہے۔ پھر اے مسلمانو! وہ تمہارے لئے ہے"

اسلام کا کمال وسعت نظر۔ ہر قوم کے لئے تصرف مالکانہ کا اذن عام :۔

اگرچہ اس حدیث میں خطاب اہل اسلام سے ہے۔ مگر دوسری حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنجر زمینوں کی آبادکاری اور ملکیت کے متعلق شریعت اسلام کا نظریہ مذہب وملت کی تفریق سے بالاتر ہے۔ وہ ہر انسان کو بلا تفریق ملت ومذہب اس قسم کی اراضی کو آباد کرنے اور مالکانہ حق انتفاع پیدا کرنے کا اذن عام دیتا ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں :۔

(۱) ایما قوم احیوا شیئا من الارض وعمروها فهم احق بها وهی لهم۔

"جس قوم نے کسی زمین کو آباد کیا۔ اور بسایا تو وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہوں گے اور وہ انھیں کا حق ہوگی۔"

(۲) من احیی ارضا مواتا فهی له۔

"جس نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا تو وہ اس کی ہوگی۔"

(۳) من غرس شجرا او حفر وادیا بدیا لم یسبقه الیه احد واحیی ارضا میتة فهی له قضاء من الله ورسوله۔

"جس نے درخت لگایا یا (زمین) کھود کر پانی کا راستہ بنایا اور اس کام میں اس نے پہل کی۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو بحکم خدا و رسولؐ یہ چیزیں اسی کی ملکیت ہوں گی۔"

(۴) ابو بصیر راوی ہیں:۔

سألت ابا عبد الله علیه السلام عن شراء الارضین من اهل الذمة فقال لا باس بان یشتری منهم اذا عمروها واحیوها فهی لهم وقد کان رسول الله حین ظهر علی خیبر وفیها الیهود خارجهم علی امر وترک الارضین فی ایدیهم یعملونها ویعمرونها۔ (فروع کافی و وسائل وغیرہ)

"میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) سے زمین خریدنے کا حکم کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا ان سے خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جب انھوں نے اس کو بسایا آباد کیا تو وہ ان کی ملک ہوگئی۔ حضرت رسالتمآبؐ صلعم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین کا معاملہ یہود سے کر لیا تھا۔ اور

اُن کو انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دیا تھا کہ اُن سے روزی کمائیں اور ان کو آباد رکھیں ———"

معاشیات میں مسلمان و کافر کا فرق نہیں

علامہ مجلسیؒ نے شرح حدیث میں فرمایا ہے :—

تفصیل القول فی ذلک ما ذکرہ الشہید الثانیؒ حیث قال من احیی الضا وقصد تملکہ فی غیبۃ الامام یملکہ فی ذلک المسلم والکافر لعموم من احیاھا۔

" تفصیل قول اس بارے میں وہ ہے جس کا ذکر شہید ثانیؒ نے کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ زمانۂ غیبت امامؑ میں جس نے کوئی زمین آباد کی اور اس کو اپنی ملکیت میں لینے کا ارادہ کیا تو وہ اس کا مالک ہو جائیگا۔ اس بارے میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں کیونکہ حدیث میں لفظ "من احیاھا" عموم پر دلالت کرتا ہے

ولا یقدح فی ذلک کونھا للامام لکون سائر حقوقہ کذالک فی اید الناس علی جھۃ الملک۔

" اس زمین کا مملوکہ امام ہونا اس بارے میں (یعنی دوسروں کی ملک بننے میں) مانع نہ ہوگا۔ کیونکہ امامؑ کے سارے حقوق ہی اسی طرح بعنوان ملکیت لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں

(شرح فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۳۴۹)

زمین کی دوسری قسم ۲) الثانی

ما کانت عامرۃ بالاصالۃ ای لا من معمر والظاھر انہ ایضاً للامام .... وھو ظاھر

" دوسری قسم وہ زمین ہے جو بالاصالتہ بغیر کسی کے آباد کئے قدرتی طور پر آباد ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی زمین بھی امامؑ ہی کی ملکیت ہوگی .... اس حدیث

اطلاق تو لهم وكل ارض لم يجب
عليها ملك مسلم فهو للامام هل
يملك هذه بالحيازة وجهان،
من كونه مال الامام ومن عدم
منافاته للتملك بالحيازة كما
يملك الاموات بالاحياء صح
كونه مال الامام فدخل في
عموم النبوي من سبق الى مالم
يسبق اليه مسلم فهو احق به -

(ہر وہ زمین جس پر کسی مسلم کی ملکیت نہ جاری
ہوئی ہو وہ مملوکہ امامؑ ہوگی) کے اطلاق سے
یہی ظاہر ہوتا ہے - اب رہ گیا یہ امر کہ وہ
بغرض نگہداشت قبضہ کر لینے سے کسی کی
ملکیت بنجاتی ہے یا نہیں تو اس کے متعلق
دو وجہیں ہیں - (۱) اس کا مال امامؑ ہونا
اور (۲) اس بات کا بوجہ "حیازۃ"
کسی کی ملکیت بن جانے کے لئے منافی نہ ہونا
(یعنی مال امامؑ ہوتے ہوئے وہ زمین اس
شخص کی ملکیت میں آجائے گی - جو اس پر تصرف کرے گا) اور وہ اس
حدیث نبویؐ کے عموم میں داخل ہو جائے گا کہ وہ جو آدمی کسی ایسی شئے
کی طرف سابق ہوگا جس پر کسی مسلم نے پہلے سے قبضہ نہ کیا ہو تو وہ
اس کا زیادہ مستحق ہوگا"

اس کلام سے بھی دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

(۱) "عامر بالاصالۃ" وہ زمین ہے جو قدرتی طور پر آباد اور بغیر کسی آباد کرنیوالے
کی محنت وسعی کے پیداوار دے - اور اس قسم کی زمین بھی نمائندہ حکومت الہیہ
امامؑ کی ملکیت ہوگی"

(۲) اس پر قبضہ کرنے اور اپنی نگرانی و حیازۃ میں لے لینے کا اذن عام ہے - ہر شخص
حق "حیازۃ" کی بنا پر اس کا مالک قرار پا سکتا ہے - اور اس بارے میں زمین کا

رسول ص و امام ع کی ملکیت ہونا مانع نہ ہوگا - جس طرح بنجر اور افتادہ زمین بنا برحق آبادکاری مال امام ہونے کے باوجود آباد کرنے والے کی مملوکہ بن جاتی ہے - وہی صورت اس زمین کی بھی ہوگی - جو "عامر بالا صالۃ" ہے اور وہ اس قانون عام کے اندر داخل ہوگی جو اس حدیث نبوی میں مذکور ہے کہ من سبق الی ما لم یسبق الیہ مسلم فھو احق بہ -

زمین کی تیسری قسم

(الثالث) ما عرض لہ الحیات بعد الموت - فھو للمحیی فیصیر ملکا لہ اما بشرط المذکورۃ فی باب الاحیاء -

"وہ زمین جو بنجر رہنے کے بعد آباد ہوئی ہو - اس قسم کی زمین کا حکم یہ ہے :- "وہ اس شخص کی ملک ہوگی جس نے اسے آباد کیا ہے - مگر ان شرائط کے ساتھ جو احیاء موات (مردہ زمینوں کی آبادکاری) کے باب میں مذکور ہے"

زمین کی چوتھی قسم

(الرابع) ما عرض لہ الموت بعد العمارۃ - فان کانت العمارۃ اصلیۃ فھی مال الامام وان کانت العمارۃ من معمر ففی بقائھا علی ملک معمرھا او خروجھا عنہ وصیرورتھا ملکاً لمن عمرھا ثانیاً خلاف معروف فی کتاب احیاء الاموات -

"جو آباد رہنے کے بعد بنجر اور ویران ہو گئی ہو" اس زمین کا حکم یہ ہے :- "اگر اس زمین کی آبادی اصلی ہے وہ مال امام ہوگی - اور اگر کسی دوسرے آباد کرنے والے کی محنت سے آباد کی گئی ہوگی تو اس کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ پہلے آباد کرنے والے کی ملکیت پر باقی رہے گی یا اس کی ملکیت سے نکل کر دوسرے آباد کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی"

ممالک مفتوحہ کی اراضی کے متعلق نظریہ اشتراک، ارض خراج کا حکم

ممالک مفتوحہ کی آبادی و مزروعہ آراضی کا حکم بھی نظریہ اشتراک و مساوات پر مبنی ہے۔ یعنی وہ تمام اہل اسلام کی مشترک ملکیت ہوں گی۔ اس قسم کی زمین کو اصطلاح فقہ اسلامی میں "ارض الخراج" کہتے ہیں۔ شرایع اسلام اور اس کی شرح جواہر الکلام میں ہے:۔

كيف كان فلا خلاف اجده في ان عامر الارض المفتوحة عنوة وقت الفتح للمسلمين قاطبة بلا خوف ...... فلا يملك احد منهم بالخصوص رقبتها فلا يصح لاحد منهم بخصوصه منهم فضلا عن غيرهم بيعها ولا رهنها ولا هبتها ولا غير ذلك مما يتوقف صحته على الملك ...... فلو ماتت لم يصح احياءها على وجه يترتب عليه الملك للمحيي لان الملك لها بغير احياء معروف وهو المسلمون قاطبة۔

"میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا کہ وہ زمینیں عام مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی جو طاقت و غلبہ سے فتح کی گئیں اور بوقت فتح آباد تھیں۔ کوئی خاص مسلمان ان کا مالک نہ ہوگا۔ (اور وہ کسی کی شخصی ملکیت نہ ہونگی) لہذا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے لئے اس کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا یا ہبہ کرنا اور اسی طرح کے دوسرے تصرفات جس کی صحت ملکیت ہونے پر موقوف ہے صحیح نہ ہوں گے اور اگر اسی قسم کی زمین پڑتی پڑ جائے اور بنجر ہو جائے تو اس طریقے پر سے آباد کرنا صحیح نہ ہوگا کہ آباد کرنے والے کی ملکیت قرار پائے کیونکہ اس کے مالک تو معلوم ہیں۔ اور وہ جملہ اہل اسلام ہیں۔ تمام

ارض خراج کی ملکیت کی خاص نوعیت

معلوم ہے کہ بلاد مفتوحہ کی آبادی و مزروعہ آراضی عامہ مسلمین کی ملکیت ہوگی۔ مگر فقہا نے تصریح کی ہے کہ اس ملک کی حیثیت دوسری املاک سے جداگانہ ہے۔

صاحب مکاسب فرماتے ہیں:-

انها غير مملوكة لملاكها على نحو سائر الاملاك فهذه الملكية نحو مستقل من الملكية قد دل عليه الدليل ومفادها صرف حاصل الملك في مصالح الملاك۔

" وہ زمینیں اپنے مالکوں کی ملکیت دوسرے املاک کی طرح نہیں ہوں گی بلکہ یہ ملکیت کا ایک مستقل عنوان جداگانہ ہوگا جس پر دلیل شاہد ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ " املاک کی آمدنی مالکوں کی مصلحتوں میں صرف کی جائے" اور وہ زمینیں اس معنی سے تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی کہ ان کی آمدنی اُن لوگوں کی مصالح عامہ میں صرف کی جائے۔"

معلوم ہوا کہ ارض خراج اس معنی سے عامہ مسلمین کی ملکیت ہے کہ اُس کی آمدنی زیر نگرانی حکومت اسلامیہ تقویت دین و استحکام مملکت اور مصالح عامہ و رفاہ عام کے دوسرے کاموں میں خرچ کی جائے گی۔ اور انتظام مصالح عامہ سے جو فاضل رقم بچ جائے گی وہ تمام مسلمانوں پر برابر حصہ میں تقسیم کردی جائے گی۔ نمائندہ حکومت الٰہیہ یعنی امام کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔

صاحب مکاسب لکھتے ہیں:-

ليس لنفسه من ذلك قليل ولا كثير۔

" امام کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا نہ کم نہ زیادہ "

آراضی مفتوحہ سابق کاشتکاروں کے قبضے میں رکھی جائیگی۔ مقدار خراج کی بابت اسلام کا منصفانہ نظریہ

آراضی الخراج یعنی ممالک مفتوحہ کی زمینوں کے متعلق اسلامی نظریہ ہے کہ وہ سابق کاشتکاروں اور آباد کرنے والوں ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دی جائے گی۔ ایک حدیث میں ہے:۔

والارض التی اخذت بخیل ورکاب فھی موقوفة متروکة فی ید من یعمرھا ویحییھا ویقوم علیھا علیٰ ما صالحھا الوالی علی قدر طاقتھم من الخراج النصف او الثلث او الثلثین علی قدر مایکون لھم صالحا ولا یضر بھم۔

"وہ زمین جو فوجی طاقت سے حاصل کیجائے گی۔ وہ وقف عام ہو گی۔ اور اس کے آباد کرنے والوں ہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائے گی اور حاکم اسلام ان کی طاقت پر نظر کر کے نصف یا ایک ثلث یا دو ثلث غرض خراج کی وہ مقدار طے کریں گے جو ان کاشتکاروں کے لئے مناسب حال ہو۔ اور اس سے اُن کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم اسلام آراضی مفتوحہ کا بندوبست انہیں لوگوں کے ساتھ کرے جن کے ہاتھوں میں وہ پہلے سے ہو گا۔ اور اس بندوبست میں اس بات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کہ خراج اُن لوگوں کی طاقت برداشت سے زیادہ نہ ہونے پائے ایسی مقدار خراج نہ ہو جو ان کے واسطے باعث ضرر بن جائے۔

غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ رعایت

شریعت اسلام آراضی مفتوحہ کو سابق کاشتکاروں کے ہاتھوں ہی میں رکھے جانے کا حکم نہیں دیتی۔ بلکہ وہ اُن کاشتکاروں کے لئے بھی حق تصرف مالکانہ تجویز کرتی ہے۔

یعنی ان کو اُن زمینوں کی خرید و فروخت کا بھی اختیار دیتی ہے۔ اس طرح آراضی مفتوحہ کے مالک (۲) ہو جاتے ہیں۔

(۱) مالک اعلیٰ یعنی تمام مسلمین (۲) مالک ادنیٰ یعنی وہ کاشتکار جن کے ہاتھوں میں وہ فتح سے پہلے تھیں۔ اور بعد میں رہیں گی۔ کسی مسلم کو انھیں اُن کے حق ملکیت سے محروم کرنا جائز نہیں۔ البتہ ان سے اُن زمینوں کو خرید سکتا ہے۔ مگر جو لگان وہ لوگ ادا کرتے تھے وہ خریدنے والے کے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا۔

سألت ابا عبد اللہ عن شراء الارض من ارض الخراج فکرھہ قال انما ارض الخراج للمسلمین فقالوا له یشتریھا الرجل و علیہ خراجھا فقال لا باس الا ان یستحیی من عیب ذلک۔

"میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ خراج کی زمین کا خریدنا کیسا ہے، تو حضرت نے اُس کی کراہت ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ زمین خراج تو جملہ مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ مشتری اس شرط پر خریدے گا کہ اُس زمین کا خراج (سابق غیر مسلم کاشتکار کی طرح) اس کے ذمہ بھی واجب الادا ہوگا۔ تو فرمایا اس صورت سے خریدنے میں مضائقہ نہیں۔ اگر اس کو خراج کے عیب سے شرم نہ آتی ہو۔"

صاحب مکاسب لکھتے ہیں:-

وظاھرہ کما تری عدم جواز بیعھا حتی بیع الاثار المملوکۃ فیھا علی ان تکون جزءً من المبیع فیدخل فی

"جیسا کہ تم دیکھتے ہو ظاہر حدیث یہ ہے کہ اُس زمین کا بیع کرنا جائز نہیں حتی کہ اگر اس میں کچھ ایسے آثار (مثلاً درخت مکان وغیرہ)

ملک المشتری ثم یکون للمشتری علی وجہ کان للبائع اعنی مجرد الاولویۃ وعدم جواز مزاحمۃ۔

ہیں جو کسی کی ملکیت ہیں تو اُن کے مالک کو اُن آثار کے ساتھ اُس زمین کے فروخت کا اختیار نہ ہوگا۔ کہ وہ بھی ان کے ساتھ خریدنے والے کی ملکیت بنجائے۔ البتہ خریدار کا اس زمین پر وہی حق ہوگا جو بیچنے والے کا تھا۔ یعنی محض اولیہ (بہ نسبت دوسرے کے اُس کو حق انتفاع زیادہ ہونا) اور منفعت حاصل کرنے میں اس کی مزاحمت و مخالفت جائز نہ ہونا۔"

لگان و مالگذاری زمین کی اُجرت ہے اُس کی تعیین کاشتکار کی رضامندی پر موقوف ہے

لیس للخراج قدر معین بل المناط فیہ ما تراضی فیہ السلطان ومستعمل الارض لان الخراج ھی اجرۃ الارض فینوطھا برضی الموجر والمستاجر۔

(کتاب مکاسب ص۷۷)

"خراج یعنی زمین کی لگان کی کوئی معین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات سلطان اسلام اور زمین کے عاملوں کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ خراج زمین کی اُجرت ہے اور اُجرت کا معاملہ موجر اور مستاجر (مالک اور کرایہ دار) کی باہمی رضامندی پر موقوف ہوا کرتا ہے۔"

یہ حکم ظاہر کرتا ہے کہ شریعت اسلام حکومت اسلامیہ اور اہل خراج یعنی کاشتکاروں کے درمیان تعیین خراج کا معاملہ دو برابر کے شریکوں کی طرح طے کرنا چاہتی ہے حکومت خود اپنی طرف سے کوئی مقدار خراج مقرر کرکے ان کو ادا کرنے پر مجبور ر

نہیں کرے گی۔ بلکہ اس کا تعین فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوگا۔ معمول دنیا یہ رہا
ہے کہ حکومتیں خود زمینوں کی حیثیت اور اُن کی مقدار لگان و مالگذاری مشخص و معین کرتی
ہیں۔ زمینداروں اور کاشتکاروں کی رضامندی اس میں شرط نہیں ہے۔ اُن کے
معاملات موجر و مستاجر کی مساوی حیثیت کے اصول پر قائم نہیں ہوتے۔ بلکہ حاکم
و رعایا کی حیثیت سے طے کیے جاتے ہیں۔ دنیا میں۔ امت اسلامیہ کی یہ واحد
مثال ہے کہ اس نے کاشتکاروں کو برابر شریک کی حیثیت دے کر اُن کی رضامندی
کے بغیر تشخیص مالگذاری و خراج کا معاملہ خود حاکمانہ طریقے پر طے نہیں کرنا چاہتی
بلکہ تراضی طرفین اس معاملہ کی بنیادی شرط قرار دیتی ہے۔ اس طرز عمل سے ظاہر
ہے کہ نظام اسلامی کاشتکاروں کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ اور اس کی نظر میں
اس طبقے کی کتنی عظمت ہے۔ اس کا طریق کار جاگیردارانہ نظام سے کتنا مختلف ہے

ایک ضروری امر کی توضیح

احادیث منقولا بالا سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی
ہے کہ زمین کی بعض اقسام کا رسولؐ و امامؑ کی ملکیت ہونا۔ اور ریاست کا حق قرار
پانا عامۃ الناس کے حق انتفاع میں مزاحم و مخل انداز نہیں ہوتا۔ ان زمینوں کی
نوعیت شاہی جاگیر اور سلاطین کی ذاتی املاک اور صرف خاص کی جائدادوں
کی نہیں ہوتی۔ جن میں رعایا کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اور وہ محض اُن کے شاہانہ
و امیرانہ جاہ و جلال کے برقرار رکھنے کا ذریعہ ہوں۔ اور محض ذاتی عیش و
عشرت کا سامان مہیا کرتی ہوں۔ بلکہ وہ بھی ریاست اسلامیہ ہی کی ملکیت
ہوتی ہیں۔ اور ان کا تعلق بھی مفاد عامۂ خلائق سے ہوا کرتا ہے۔ چونکہ شریعت
اسلامیہ نے بعض اقسام اراضی کو ملک عامہ مسلمین قرار دیا ہے اور ان کو سلطنت

اور رعایا کی عام مصالح کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور ملکی ضرورتوں سے فاضل رقم میں "تقسیم بالسویہ" کا اصول تجویز کیا ہے جس کی رو سے وہ ہر خاص و عام، ہر امیر و غریب پر مساوی تقسیم کی جائے گی۔ لہذا امیر حکومت اسلامیہ کی قانونی حیثیت اُن زمینوں کے بارے میں محض متولی و نگرانی کی قرار دی گئی ہے۔ جس کا کام خراج وصول کرنا اور مصالح عامہ میں خرچ کرنا اور فاضل رقم کو عام مسلمین پر بالسویہ تقسیم کر دینا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ عام ملکی ضرورتوں کے علاوہ رعایا کی کچھ خاص ضرورتیں بھی ہوتی ہیں۔ جو والی ریاست و حکومت سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور ان میں اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ اُس کے اختیارات از روئے قانون وسیع رکھے جائیں تاکہ حسب ضرورت و مصلحت مناسب عملدر آمد کر سکے۔ اس واسطے زمین کی بعض اقسام کو والی حکومت یعنی رسول صلعم و امام علیہ السلام کی خاص ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس پر اور ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں۔

امیر ریاست اسلامیہ کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں

یتیموں کی پرورش بیواؤں کی امداد اور قرضوں کا ادا کرنا، قول الٰہی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر میں منقول ہے:۔

انما جعل اللّٰہ النبیؐ ابا المومنین انہ صلعم ... مؤنتھم و تربیۃ ایتامھم فعند ذلک صعد رسول اللّٰہ المنبر فقال من ترک ...

"جب خدا نے رسول صلعم کو مومنین کا "باپ" قرار دیا تو ان کی کفالت اور ان کے یتیموں کی پرورش بھی ان پر لازم کر دی۔ جب ایسا ہوا تو

مالا فلورثتہ ومن ترک دیناً او ضیاعاً فعلیّ والیّ فالزم اللّٰہ نبیّہ مایلزم الوالد للولد وکذلک الزم امیر المومنینؑ واالزم رسول اللّٰہ من بعد ذلک وبعدہ الائمۃ واحداً واحداً" (تفسیر صافی)

جناب رسالتمآبؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا جو شخص کوئی مال چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کا ہوگا۔ اور جو آدمی قرض یا تباہ حال عیال چھوڑ جائے گا تو وہ میرے ذمہ ہے اور میری طرف (یعنی ادائے قرض وتربیت عیال کا میں ذمہ دار ہوں۔)

تو خدا نے اپنے رسولؐ پر وہ بات فرض کی جو باپ پر بیٹے کے حق میں فرض ہوتی ہے۔ اسی طرح امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے امامؑ پر وہ امر لازم کیا جو رسول خداؐ آپ پر فرض کر گئے تھے۔ اور یہی آئمہؑ میں یکے بعد دیگرے جاری رہا"۔

کس قسم کے دیون کا ادا کرنا حاکم شرع کا فرض ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

من کان لہ علی رجل مال اخذہ ولم ینفقہ فی اسراف او فی معصیۃ فعسر علیہ ان یقضیہ فعلی من لہ المال ان ینظرہ حتی یرزقہ اللّٰہ فیقضیہ واذا کان الامام العادل قائماً فعلیہ ان یقضی عنہ دینہ لقول رسول اللّٰہ من ترک مالاً فلورثتہ

"جس شخص کا کسی پر قرض ہو جس کو قرضدار نے فضول خرچی اور خدا کے گناہ میں صرف نہ کیا ہو۔ اور اس کا ادا کرنا تنگدستی کی وجہ سے دشوار ہو جائے تو صاحب مال کو اسے مہلت دینا اور اس وقت تک انتظار کرنا لازم ہے کہ خدا اس کو وسعت رزق دے۔ اور وہ قرض ادا

ومن ترک دینا او ضیاعاً فعلیّ و علی الامام ما ضمنہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ۔ (مستدرک الوسائل) کو یعنی۔ اور امام عادل اگر بوسر حکومت ہوں تو ان کا فرض ہوگا کہ اُس شخص کا قرض ادا کریں کیونکہ جناب رسول خدا کی حدیث ہے

من ترک مالاً الخ (جو شخص مال چھوڑے گا تو وہ اس کے ورثہ کا ہوگا اور اگر قرض یا تباہ حال عیال چھوڑے گا تو وہ میرے ذمہ ہوگا۔ اور امام پر وہ ذمہ داری ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر عائد کی ہے"

(۳) نیز مروی ہے :۔

الامامُ یقضی عن المومنین الدیون "امام علیہ السلام مومنین کے قرضے ادا کریں گے"

خود کاشت کرنیکی ہدایت

اسلامی نظام معیشت ہر آدمی کو یہ حکم دیتا ہے کہ مملوکہ و مقبوضہ آراضی میں خود کاشت کرے۔ اور خود باغ لگائے۔

حدیث میں ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم زمین کے مالکوں سے فرمایا کرتے تھے

ازرع فی ارضک "اپنی زمین میں خود کاشت کرو"

جناب امیر علیہ السلام کی سیرت میں مروی ہے :۔

کان یعمل بیدہٖ "حضرتؑ اپنے ہاتھ سے کام کاج کیا کرتے تھے۔

قانون مزارعت

لیکن خود کاشت نہ کرنے کی صورت میں لگان یا بٹائی پر دوسرے شخص سے زمین کا معاملہ کر لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کو اصطلاح فقہ اسلام میں مزارعہ سے کہتے ہیں۔

حدیث نبوی ہے :۔

لا باس بالمزارعة بالثلث والربع والخمس واقل واکثر مما یخرج اذا کان صاحب الارض لا یاخذ المزارع الا بما اخرجت۔

"مزارعۃ (بٹائی) کا معاملہ پیداوار کے تیسرے چوتھے پانچویں حصے یا اس سے کم و زیادہ پر بھی طے کرنے میں مضائقہ نہیں۔ مگر مالک زمین کو کاشتکار سے اپنی زمین کی پیداوار ہی سے وصول کرنے کا حق ہوگا"

مالک زمین کا مطالبہ صرف اس کی زمین کی پیداوار سے متعلق ہوگا

جناب صدوق ابن بابویہ نے فرمایا ہے:۔

لا باس ان تستاجر الارض بالدراهم (و) بالدراهم وتزارع الناس علی الثلث والربع او اقل او اکثر اذا کنت لا تاخذ الرجل الا بما اخرجت ارضك۔

(مستدرک الوسائل ص۵۰۳)

"اس میں مضائقہ نہیں کہ تم زمین نقدی لگان پر اٹھا دو۔ یا مزارعہ (بٹائی) کا معاملہ تہائی چوتھائی یا اور اس سے کم و بیش پر کر لو۔ جبکہ تم اس آدمی سے جس سے معاملہ کیا ہے اپنی زمین کی پیداوار ہی میں سے وصول کرو۔"

اسلام کا قانون مزارعت نظام جاگیرداری نہیں ہے یہ کاشتکاروں کا حامی اور نظام عدل و مساوات ہے

"اسلامی۔ مزارعۃ" کو اس قسم کے جابرانہ و ظالمانہ معاملہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے جو ہندوستان یا دوسرے ممالک میں عام طور سے زمیندار و کاشتکار کے درمیان ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایسا معاملہ ہے جس میں جانبین کے

حقوق از روئے انصاف معین اور محفوظ ہوتے ہیں۔ مالک زمین اور کاشتکار دونوں کا اشتراک اور مساوات کا درجہ اس معاملہ کی روح ہے۔ اس کے شرائط و احکام جو فقہ اسلام کی کتابوں میں مذکور ہیں میرے اس بیان پر شاہد ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں اُن کو نقل کرنا مناسب نہ ہوگا۔ البتہ چند شواہد یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ جو یہ ثابت کر دینے سے لئے کافی ہیں کہ اسلام کا عادلانہ نظام کاشتکاروں کا حقیقی حامی و ہمدرد ہے اس کی مثال عالم کے جاگیردارانہ و زمیندارانہ نظامات میں نہیں مل سکتی

کسانوں کے حقوق کا تحفظ۔ وقت وفات شارع اسلام کی وصیت

کاشتکاروں پر ظلم نہ ہونے پائے۔ مقررہ لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کیجائے

بیگار کی ممانعت

علی الازرق راوی ہیں:۔

(۱) سمعت ابا عبد اللہ یقول وصی رسول اللہ علیاً عند وفاتہ فقال یا علی لا یظلم الفلاحون بحضرتک ولا یزاد علی ارض وضعت علیھا ولا سخرت علی مسلم یعنی الاجیر۔ (وسائل)

"میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے سُنا کہ جناب رسالتماب صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو بوقت وفات وصیت فرمائی کہ اے علیؑ! کسانوں پر تمہارے روبرو کوئی ظلم نہ ہونے پائے اور نہ زمین کا مقررہ لگان بڑھایا جائے اور نہ کسی مسلم اجیر سے بیگار لی جائے"

حضرت امیر المومنینؑ کا فرمان کاشتکاروں کی حمایت میں بے گار اور نذرانہ کی ممانعت

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

کان امیر المومنینؑ یکتب الی عمالہ لا تسخروا المسلمین ومن سألکم غیر الفریضہ فقد اعتدیٰ فلا تعطوہ وکان یکتب یوصی بالفلاحین خیراً۔ (وسائل)

"جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنے عمّال کو یہ فرمان بھیجا کرتے تھے کہ مسلمانوں سے بے گار نہ لیا جائے (پھر کاشتکاروں سے خطاب فرماتے تھے کہ) جو کچھ واجب الادا لگان کے ماسوا تم سے مانگا جائے وہ زیادتی وظلم ہے۔ تم وہ مانگنے والے کو نہ دینا۔ اور آپؑ اپنے فرمانوں میں کاشتکاروں کے حق میں لکھا کرتے تھے۔ کہ ان سے عمدہ سلوک کیا جائے۔"

اسلام ممالک مفتوحہ کے غیر مسلم کاشتکاروں کے ساتھ بھی ان ناانصافیوں کو ناروا سمجھتا ہے جو دنیا کے جاگیردارانہ نظامات میں عموماً کی جاتی ہے۔ وہ ان کی مرضی کے خلاف بیگار یعنی بدون معاوضہ خدمت لینا یا کوئی اور منفعت حاصل کرنا ممنوع قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے ظاہر ہے۔

(۱) ان رسول اللہؐ اعطی یہود خیبر علی النصف فکان یبعث علیہم من یخرص علیہم ویامرہم ان یبقی

"جناب رسالتمآبؐ نے آراضی مفتوحہ نصف بٹائی پر خیبر کے یہودیوں کو دیدی۔ اور آپؐ کسی کو بھیجا کرتے تھے اور درختوں کا تخمینہ

لهم ما یا کلون - (مستدرک) کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ یہودیوں کے پاس اتنا باقی رکھیں جو ان کے کھانے کے واسطے کافی ہو۔

(۲) سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن السخرۃ فی القری و ما یؤخذ من العلوج والاکرۃ فی القری فقال اشترط علیہم فما اشترطت علیہم من الدراھم والسخرۃ وما سوی ذلک فھو لک ولیس لک ان تاخذ منہم شیئاً حتی تشارطھم وان کان کالمستیقن ان کل من نزل تلک القریۃ اخذ ذلک منہ (وسائل)

دیہاتوں میں جو بے گار کا طریقہ ہے - اور غیر معمولی اور کسانوں سے گاؤں میں جو کچھ (نذرانہ وغیرہ) لیا جاتا ہے - اس کی بابت میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا - تو فرمایا کہ تم ان سے بطور شرط کے طے کر لیا کرو - نقد درہم (روپیہ) خدمت یا اس کے علاوہ جو کچھ بھی تم کاشتکار سے طے کر لو گے وہ تمہارا حق ہے - اور تمہیں بغیر معاملہ طے کئے ہوئے ان سے کچھ لینے کا حق نہیں - اگرچہ ان کو (بنابر رواج عام کے) اس کا یقین ہی کیوں نہ ہو کہ گاؤں میں جو شخص بھی (زمیندار کی حیثیت سے) آئے گا وہ ان سے وہ چیزیں لے گا۔"

خراج کی وصولیابی میں جابرانہ طریقوں کی ممانعت

خراج کی وصولیابی میں جابرانہ طریقوں کا انسداد کیا ہے - زدوکوب اور جبر و تشدد کے دوسرے طریقے اختیار کرنا ممنوع قرار دیا ہے - مطالبہ خراج میں آلات زراعت - ہل - بیل - ضروری کا

لباس سرما و گرما۔ سامان خوراک روزمرہ کے ضروریات زندگی کو قرق یا نیلام کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اگر معاشی مجبوریوں کی وجہ سے کاشتکار خراج ادا کرنے سے عاجز رہے ہوں تو ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمانوں کے مندرجہ ذیل اقتباس شاہد ہیں :۔

حضرت امیر المومنینؑ کا فرمان عمال خراج کے نام عام کسانوں کے حق میں لاثانی ہمدردی

(۱) ولا تبیعن للناس فی خراج کسوۃ شتاء وصیف ولا دابۃ یعتملون علیہا ولا عبداً ولا تضربن احداً سوطاً لمکان درھم ولا تمسن مال احد من الناس مصلٍ ولا معاھد۔

"اور دیکھنا خراج (لگان) کے مطالبہ میں لوگوں کے سردی اور گرمی کے لباس۔ کھانے کی چیزیں جو اُن کا رزق ہیں وہ جانور جن سے وہ کاشت کرتے ہوں۔ اور غلام کو ہرگز فروخت نہ کرنا اور نہ ان کو درہم (خراج) کے لئے مارنا۔ اور کسی کے مال کو ہرگز ہاتھ نہ لگانا خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی (یہود و نصاریٰ وغیرہ)

حضرت امیرؑ کا فرمان مالک اشترؒ کے نام

(۲) وتفقد امر الخراج بما یصلح اھلہ فان فی صلاحہ وصلاحھم لمن

"معیشت (سامان زندگی) کا دارومدار خراج واہل خراج ہی پر ہے اور خراج وصول کرنے کے

سواھم الاھم لان الناس کلھم عیال
علی الخراج واھلہ ولیکن نظرک
فی عمارۃ الارض ابلغ من نظرک
فی استجلاب الخراج لان ذلک
لا یدرک الا بالعمارۃ ومن طلب
الخراج بغیر عمارۃ اخرب البلاد و اھلک
العباد ولم یستقم امرہ الا قلیلا فان
شکوا ثقلا او علۃ او انقطاع شرب
او بالۃ او احالۃ ارض اغتمرھا غرق
او اجحف بھا عطش خففت عنھم بما ترجوان
یصلح بہ امرھم ولا یثقلن علیک
شئ خففت بہ المؤنۃ عنھم
فانہ ذخر یعودون بہ علیک
فی عمارۃ بلادک وتزیین ولایتک
مع استجلابک حسن ثنائھم
وتبجحک باستفاضۃ العدل فیھم
معتمداً فضل قوتھم بما
ذخرت عندھم من
اجماعک لھم والثقۃ منھم

تمہاری نگاہ زمین کی آبادی پر رہنی چاہیئے
اس لیے کہ خراج بغیر زمین کی آبادی کے حاصل
نہیں ہو سکتا۔ اور جس نے زمین کو آباد رکھے
بغیر خراج وصول کرنا چاہا اس نے ملک کو
خراب اور بندگان خدا کو تباہ کر دیا اور
اسکی حکومت تھوڑے دنوں کے سوا درست
نہ رہ سکی۔ پس اگر (کاشتکار) مقدار
خراج (لگان) کے بھاری ہونے اور کسی
ناگہانی آفت یا نہر سے سیرابی کے بند ہو جانے
یا مینہ نہ برسنے یا زمین کے غرقاب رہنے
یا خوب سیراب نہ ہو سکنے سے پیداوار کی
خرابی کی شکایت کریں تو ان سے اتنی مقدار
کم کر دو جتنی میں تم کو امید ہو کہ انکی حالت
درست ہو جائیگی۔ اور اس مقدار کا کم کرنا
تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ وہ انکے پاس جمع
رہے گی۔ اور شہروں کے آباد ہو جانے
اور ملک کی حالت سدھر جانے کے
بعد تمہاری طرف پلٹ آئے گی۔ ساتھ ہی
انکے تمکو انکی مدح و ثنا بھی حاصل ہو گی اور ان

بما عودتهم من عدلك عليهم في رفقك بهم فربما حدث من الامور ما اذا عولت فيه عليهم من بعد احتملوه طيبة انفسهم به فان العمران محتمل ما حملته وانما يؤتى خراب الارض من اعواز اهلها وانما يعوز اهلها لاشراف انفس الولاة على الجمع وسوء ظنهم بالبقاء وقلة انتفاعهم بالعبر — (نہج البلاغہ)

درمیان عدل وانصاف جاری کرسکوگے اون کو راحت دے کر جو کچھ تم ان کے پاس ذخیرہ کردوگے اس کو خوشحالی کے وقت میں ان کی فاضل آمدنی ہوا بوقت ضرورت بھروسہ کرسکوگے اور اپنی نرمی وانصاف کی عادت ڈالکر ان کا اعتماد بھی حاصل کر لوگے۔ اس کے بعد ناگہانی ضرورتوں میں جب ان پر بھروسہ کروگے تو وہ بخوشی اس بوجھ کو اٹھالیں گے۔ کیونکہ ملک کی آبادی وخوشحالی وہ سب بار اٹھا سکتی ہے جو تم اُس پر ڈالوگے۔ اور کسانوں کا محتاج رہنا ہی زمین کی خرابی کا باعث ہوتا ہے۔ اور زمیندار مفلس اُسی وقت ہوتے ہیں جب حاکموں کے نفس مال ودولت سمیٹنے پر مائل ہوجاتے ہیں۔ بقاء منصب امارت کی طرف سے بدگمان ہوتے ہیں۔ اور زمانہ کی عبرتوں سے نفع حاصل نہیں کرتے ہے

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمان اُن غیر مسلم زمینداروں کے نام جنکی زمینوں پر سے اسلامی افواج گذرنیوالی تھیں

اما بعد فاني قد سيرت جنوداً هي مارة بكم ان شاء الله وقد اوصيتهم

"اما بعد میں نے فوجوں کو روانہ کیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے قریب سے گزریں گی۔ میں نے

بما يجب الله عليهم من كف الاذى و
وصرف الشذى وانا ابرء اليكم
والى ذمتكم من معرة الجيش الاجوعة
المضطر الايجد عنها مذهبا الى شبعه
فنكلوا منهم ظلما عن ظلمهم وكفوا
ايدى سفهائكم عن مضارتهم
والتعرض لهم فيما استثنياه لهم
وانا بين اظهر الجيش فادفعوا الى
مظالمكم وما عراكم مما يغلبكم من امرهم
ولا تطيقون دفعه الا بالله وبي فانا
اغيره بمعونة الله انشاء الله۔

وہ باتیں سمجھا دی ہیں جو خدا کی طرف سے
اُن پر فرض ہیں۔ یعنی ایذا رسانی و
شر انگیزی سے باز رہیں۔ اب اگر ان فوجوں
سے کوئی ضرر تمہیں پہونچے تو میں تم سے اس
کی بابت اپنی برائت چاہتا ہوں۔ مگر یہ کہ
کوئی شخص بھوک سے مضطر ہو کر بغیر کچھ نقصان
پہنچائے سیر ہو سکنے کی کوئی راہ نہ پائے
پس جو شخص ان میں سے (بغیر ضرورت)
کسی شئے کو ہاتھ لگائے تو اس کو ظلم کی
سزا دو۔ مگر ہم نے جو کچھ مستثنیٰ کر دیا
ہے (یعنی بوقت ضرورت بقدر احتیاج
لے لینا) اس کی بابت اپنی قوم کے بے عقلوں کی مزاحمت اور چھیڑ چھاڑ
کرنے سے باز رکھنا (اور یہ جان لو کہ گویا میں لشکر ہی میں موجود رہوں۔ پس
جو مظالم تم پر ہوں۔ اور فوجیوں کی طرف سے جو زبردستی تم پر واقع ہو۔
جس کے دفع کرنے پر تم خود قادر نہ ہو سکو تو وہ مجھ تک پہنچاؤ۔ میں خدا کی
مدد سے اس کو دفع کر دوں گا۔"

معادن کے اقسام و احکام جس طرح زمین کی بعض قسمیں اصلاً غیر مملوک قرار
دی گئی ہیں۔ اور جو شخص اُن پر آبادکاری کی غرض سے پہلے قبضہ کرے گا وہ اس کا حقدار
بن جائے گا۔ اسی طرح کا حکم معدنیات کی بعض اقسام کا بھی ہے۔ اس کی تفصیل معلوم

کرنے کے لئے شرایع الاسلام کی مندرجہ ذیل عبارت پر نظر کرنی چاہیئے ۔

معاون ظاہرہ | الطرف الرابع فی المعادن فالظاهر منها لا تفتقر الی اظهار کالملح والنفط والقار لا تملک ولا یختص بها المحجر وفی جواز اقطاع السلطان المعادن والمیاه تردد

معادن باطنہ | من سبق الیها فله اخذ حاجته اما المعادن الباطنة هی التی لا تظهر الا بالعمل کمعادن الذهب والفضة والنحاس فهی تملک بالاحیاء

"طرف چہارم معادن کے بیان میں ظاہری معادن یعنی جو نکالنے کے محتاج نہ ہوں (ان تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی ہو سکتی ہو) مثلاً نمک اور نفط (مٹی کا تیل اور قیر (تارکول) اس قسم کے معادن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ وہ تحجیر (کسی چیز پر روک دینے) کی وجہ سے محجر (روکنے والے) کے لئے مخصوص ہوتے ہیں ۔ اور آیا حکومت کے لئے ایسے معادن اور دریاؤں ۔ ندیوں کے پانی کو کسی کی جاگیر قرار دینا جائز ہے ۔ تو اس بارے میں تردد ہے ۔ جو شخص ایسے معادن اور پانی تک پہنچے گا اس کو بقدر اپنی حاجت کے اس میں سے لینا جائز ہوگا ۔

— معادن باطنہ سے مراد وہ ہیں جو بغیر عمل و محنت کے ظاہر نہ ہوتے ہوں جیسے سونے چاندی تانبے کی کانیں ۔ اس قسم کے معادن بوجہ احیاء (آباد کرنے کھودنے نکالنے کے) ملک بن جاتے ہیں ۔"

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ معادن کی دو قسمیں ہیں ۔ اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے :-

(اول) معادن ظاہرہ - یعنی جن تک رسائی اوسانی سے نفع اٹھانا بغیر کسی محنت ومشقت کے ممکن ہو - چونکہ ایسے معادن کی چیز خود بخود باہر آجانے کی وجہ سے بغیر محنت اور عملی جد وجہد کے قابل انتفاع ہوتی ہیں - لہذا وہ بندگان خدا کی مشترکہ ملکیت رہیں گی اور ان کا شمار منافع مشترکہ میں ہوگا -

(دوم) معادن باطنہ - یعنی وہ معادن جن کے کھودنے میں اور نکالنے میں محنت و مشقت اور عملی جد وجہد درکار ہوتی ہے - وہ محنت وعمل کی بنا پر انفرادی ملکیت بن سکتی ہیں - اور ان کا حکم ان بنجر زمینوں کا ہوگا جن کا ذکر اوپر گذرا -

چند ضروریات زندگی جن کو اسلام نے اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے

چند اہم ضروریات زندگی کو اسلام نے عامۃ خلائق کا اشتراکی سرمایہ قرار دیا ہے - اور وہ اس حدیث میں مذکور ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ خمس لا یحل منعھن الماء والملح والکلاء والنار والعلم - (مستدرک الوسائل ص ۱۴۲)

"پانچ چیزوں کی روک ٹوک جائز نہیں - پانی - نمک - آگ - چوپایوں کا چارہ - (سبزہ گھاس وغیرہ) اور علم (جس مذہب میں علم کو مخصوص طبقہ کا حق قرار دیا گیا ہے وہ سر دوگوش ہو کر پیغمبر اسلام کی اس حدیث پر غور کرے)

ان کے تفصیلی احکام کتب فقہ اسلام سے معلوم کئے جا سکتے ہیں - اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں ہے -

تجارت کی اہمیت و ضرورت اور اس کے شرعی احکام

حدیث منقولہ بالا میں "وجہ التجارۃ" کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

اما وجہ التجارۃ فقولہ تعالیٰ
یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم
بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ و
لیکتب بینکم کاتب بالعدل الخ
فعلمھم سبحانہ کیف یشترون
المتاع فی السفر والحضر وکیف
یتجرون۔

"کسب معاش کے طریقہ تجارت کی طرف خدا
نے اس آیہ مبارکہ میں ہدایت فرمائی ہے
یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم
بدین الی اجل مسمی الخ خدا نے
اس آیت میں انسانوں کو بتایا ہے کہ سفر
وحضر میں کس طرح متاع تجارت خریدیں
اور کیونکر بیع وشراء کے معاملات کریں۔"

سورۂ بقرہ کی چند آیتوں میں خداوند عالم نے نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے
کہ سفر وحضر میں نقد وقرض کے معاملات کس طرح کئے جائیں۔ حضرت امیرؑ نے انھیں
کی طرف توجہ دلائی ہے۔

زمانۂ حاضرہ کے مشاہدات نے اب اس حقیقت کو محتاج بحث نہیں
رکھا ہے کہ قوم کی معاشی فلاح وبہبود کا راز وسائل معاش میں سب سے زیادہ تجارت
میں مضمر ہے۔ اور یہی مبارک پیشہ معاشی نظام کی ترقی وبرتری کا کفیل اعظم بنتا
ہے۔ جس قوم کو تجارت کی برکات میسر نہیں وہ دوسری قوموں کی دست نگر اور
غلام ضرور رہوں گی۔ اگر سیاسی نہیں تو کم از کم اقتصادی ومعاشی حیثیت سے
اس کا غلام بن جانا ناگزیر ہے۔ اسی بات کی جانب جناب صادق آل محمدؑ علیہم
السلام نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔ "لا تدعوا التجارۃ فتھونوا
اتجروا بارک اللہ لکم" "تجارتی کاروبار نہ چھوڑو کہ اس سے تم ذلیل ہو گے
تجارت کرو خدا تمہیں برکت دے۔" (اصول کافی)

نیز اسی وجہ سے ترک تجارت کو حدیث میں بے عقلی سے تعبیر کیا ہے - اور اُس کو سبب زوال عقل بتایا ہے :-

من ترک التجارۃ ذھب ثلثا عقلہ لاتترکھا فان ترکھا مذھبۃ للعقل اسع علی عیالک وایاک ان یکونوا ھم السعاۃ علیک (وسائل)

" جو شخص تجارت کو چھوڑ دیتا ہے اُس کی دو تہائی عقل چلی جاتی ہے - تجارت ترک نہ کرو - کہ اس سے عقل زائل ہو جاتی ہے اپنے اہل و عیال کی معیشت کے لیے تم دوڑ دھوپ کرو - اور ایسا نہ ہونے دو کہ وہ تمہارے لیے محنت و سعی کریں "

فقہ اسلام میں احکام تجارت کو خاص اہمیت حاصل ہے - ان کے متعلق بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں - ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکے گا کہ فقہ اسلام نے تجارت کو ایک مستقل فن کا مرتبہ دیدیا ہے - اور ساتھ ہی تجار کو ہدایت کی ہے کہ کاروبار تجارت شروع کرنے سے پہلے اس کے مسائل پر عبور حاصل کر لیں -- جناب شیخ مفید رح ارشاد خداوندی لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ ط

اور قول النبی :- اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

فندب الی الانفاق من طیب الاکتساب ونھی عن طلب الخبیث للمعیشۃ فمن لم یعرف فرقاً ما بین الحلال من المکتسب والحرام لم یکن

" خدا نے پاک کمائی سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی دعوت دی ہے اور ناپاک روزی سے منع کیا ہے - جو آدمی یہ نہ جانتا ہو گا کہ حلال و حرام کمائی میں کیا فرق ہے وہ خبیث

مجتنباً للخبیث من الاعمال ولا کان عن ثقة فی تفقه من طیب الاکتساب۔

وناپاک کاروبار سے پرہیز نہ کر سکے گا۔ اور نہ قابل اعتماد علم اس بات کا اسے حاصل ہوگا کہ کمانے کا عمدہ اور پاک طریقہ کیا ہے"۔

وقال ایضاً۔ نیز خدا کا ارشاد ہے:۔

ذالک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل البیع وحرم الربوا فینبغی ان یعرف البیع المخالف للربوا لیعلم بذلک ما احل الله وحرم من المتاجر والاکتساب وجاءت الروایة عن امیر المومنین ع انه کان یقول من اتجر بغیر علم فقه التجارة ارتطم فی الربوا ثم ارتطم ...... من اراد التجارة فلیتفقه فی دینه قال الصادق علیه السلام لیعلم بذلک ما یحل له ویحرم علیه ومن لم یتفقه فی دینه ثم اتجر تورط فی الشبهات (المکاسب)

"ذلک بانهم یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسا بکری کا کاروبار ویسا ہی سود کا معاملہ۔ حالانکہ بکری کو خدا نے حلال اور سود کو حرام کر دیا۔ لہٰذا ہر آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ بیع جو ربوا کے خلاف ہے (اور جو حلال قرار دی گئی ہے) کیا ہے تاکہ اسے یہ علم ہو جائے کہ خدا نے تجارت اور اکتساب معاش کے وسائل و ذرائع میں سے کسکو حرام قرار دیا ہے۔ اور مروی ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر علم کے تجارتی کاروبار کرے وہ ربوا کے دلدل میں گرے گا اور پھر گرے گا

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو تجارت کرنا چاہتا ہے اس کو دینی مسائل کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہیئے۔ تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ اور

”جو شخص بغیر م[illegible]ل کئے تجارت کرے گا
وہ شبہات میں مبتلا ہوگا۔ (حلال وحرام کی
تمیز نہ کر سکے گا)“

تجارت کے متعلق اس مختصر مضمون میں صرف چند بنیادی اصول اور اساسی احکام وہدایت کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

معاملہ تجارت کی بنیاد تراضی طرفین پر ہونی چاہیئے

فرمان خداوندی ہے :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (سورہ نساء)

”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ باہم تجارتی معاملات ایک دوسرے کی رضامندی سے ہوں“

اس آیہ مبارکہ میں معاملات تجارت کے متعلق فقہ اسلام کے احکام وہدایات کی بنیاد واضح کر دی گئی ہے۔ یعنی خرید و فروخت میں کسی طرح کی بدمعاملگی نہ ہونی چاہیئے اور معاملہ تاجر اور گاہک کی باہمی رضامندی اور خوشدلی پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ صاحب کنزالعرفان نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

ھھنا فروع (۱) شرط فی التجارۃ کونھا عن تراض ای صادرۃ عن تراض من المتعاقدین فیخرج

”تجارت میں یہ شرط ہے کہ وہ تاجر اور گاہک دونوں کی باہمی رضامندی سے واقع ہو جو معاملہ تجارت ایسا نہ ہوگا وہ اباحت

ما لم یکن ذلک عن الاباحة۔

"سے خارج ہوگا (جائز و حلال نہ ہوگا"۔

(ب) .... قال الشافعی المراد التفرق عن تراض فلهما الخیار قبل التفرق وھو مذھب الاصحاب لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البیعان بالخیار ما لم یفترقا۔

...... شافعی کا قول ہے کہ تراضی کے ساتھ طرفین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا مراد ہے۔ لہذا جبتک صاحب مال اور خریدار متفرق نہیں ہوئے ہیں معاملہ کی فسخ کر دینے کا انھیں حق حاصل رہے گا اور یہی مذہب ہمارے اصحاب (علماء امامیہ) کا بھی ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے "بائع و مشتری کو خیار حاصل ہے (یعنی انھیں معاملہ کے فسخ کر دینے کا حق ہے) جبتک متفرق نہ ہو جائیں"۔

(ج) عقد المکرہ باطل نعم لو اجاز فیما بعد صح لحصول الرضاء۔

"مجبور کا معاملہ خرید و فروخت باطل ہے ہاں اگر بعد حصول اختیار اجازت دے تو صحیح رہے گا۔ کیونکہ رضا (جو شرط صحت معاملہ ہے) حاصل ہوگئی"۔

(۳) الرضاء یراد بہ المعتبر شرعاً فلا اعتبار برضاء الصبی والمجنون والسکران والسفیہ والمفلس فلا یصح عقودھم ولو اجازوا بعد زوال المانع۔

(کنز العرفان)

"(۳) رضا سے وہ رضا مراد ہے جو شرعاً معتبر ہے۔ لہذا بچے۔ دیوانے۔ نشہ میں سرشار۔ بے عقل اور مفلس (قاضی شریعت کی طرف سے جس کو دیوالیہ اور مفلس قرار دیا گیا ہو) کا معاملہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد زوال مانع اسکی اجازت دیں"۔

حق کی لین دین شرط تجارت ہے

حدیث نبوی ہے :۔

التاجر فاجر و الفاجر فی النار "تاجر فاجر (بدکار) ہے اور فاجر جہنمی ہے

الامن اخذ الحق و اعطی الحق" مگر جو حق لے اور حق دے"

تجارت میں بد معاملگی نہ ہونے پائے:- نیز حدیث نبوی ہے:-

افضل الکسب بیع مبرور "سب سے اچھی کمائی بیع مبرور ہے

وعمل الرجل بیدہ - اور دستکاری"

"بیع مبرور" سے ایسا تجارتی کاروبار مراد ہے جس میں دھوکا، فریب، خیانت، بد معاملگی - ضرر و نقصان، خدا کی نافرمانی مردم آزاری نہ ہو -

آداب تجارت کی بابت تجار کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ہدایات

مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام بہ نفس نفیس کوفہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے تھے اور تاجروں کے مجمع سے یوں خطاب فرماتے تھے -

قدموا الاستخارۃ و تبرکوا بالسہولۃ واقتربوا من المتباعین و تزینوا بالحلم و تناھوا عن الیمین و جانبوا الکذب و تجافوا عن الظلم و انصفوا المظلومین ولا تقربوا الربوا واوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین - (وسائل)

"سب سے پہلے خدا سے خیر کے طالب ہو - اور سہولت و نرمی سے برکت حاصل کرو - خریداروں سے قریب رہو (یعنی بد خلقی نہ کرو کہ وہ تم سے دور ہو جائیں) اور علم سے آراستہ ہو - قسموں سے باز رہو جھوٹ سے بچو - ظلم سے دور بھاگو - مظلوموں کے ساتھ انصاف کرو - ربا (سود) کے قریب نہ جاؤ ناپ تول پوری کیا کرو - لوگوں کی

(خریدی ہوئی چیز کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ")

ارشاد نبوی تاجر کو پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے

حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ من باع واشتری فلیحفظ خمس خصال والا فلا یشترین ولا یبیعن الربوا والحلف وکتمان العیب والحمد اذا باع والذم اذا اشتری (وسائل)

"جو آدمی خرید و فروخت کرے اسکو پانچ باتوں کی نگہداشت ضروری ہے۔ اگر نہ کر سکتا ہو تو ہرگز خرید و فروخت کا کاروبار نہ کرے سود لینا قسم کھانا مال کا عیب چھپانا بیچنے کے وقت اپنے مال کی تعریف کرنا۔ اور خریدنے کے وقت دوسرے کے مال کی برائی کرنا"

چند آداب تجارت۔ ارشاد نبوی

ابوامامہ راوی ہیں :-

سمعت رسول اللہ یقول اربع من کن فیہ طاب مکسبہ اذا اشتری لم یعب واذا باع لم یحمد ولا یدلس وفیما بین ذلک لا یحلف (وسائل)

"میں نے جناب رسالتمآب کو یہ فرماتے سُنا کہ جس آدمی میں چار باتیں ہوں گی اس کی کمائی پاک ہے۔ جب خریدے تو عیب نہ لگائے جب بیچے تو تعریف نہ کرے۔ تدلیس سے کام نہ لے۔ (یعنی خریدار سے مال کا عیب نہ چھپائے) اور قسمیں نہ کھائے"

آداب تجارت کے متعلق امام جعفر صادقؑ کی ہدایات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی کو جو سفر تجارت کا قصد کر کے حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے مشورہ طلب کیا تو حضرتؑ نے فرمایا :-

علیک بصدق اللسان فی حدیثک ولا تکتم عیبا یکون فی تجارتک ولا تغبن المسترسل فان غبنه لا یحل ولا ترض للناس الا ما ترضی لنفسک واعط الحق وخذه ولا تخف ولا تخن فان التاجر الصدوق مع السفرة الکرام البررة یوم القیامة واجتنب الحلف فان الیمین الفاجرة تورث صاحبها النار والتاجر فاجر الا من اعطی الحق واخذه واذا عزمت علی السفر وحاجة مهمة فاکثر الدعاء والاستخارة فان ابی حدثنی عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ کان یعلم الصحابه الاستخارة کما یعلمهم السورة

"اپنی زبان گفتگو میں سچی رکھو اور مال میں جو عیب ہو اسے نہ چھپاؤ۔ جو تم پر معاملہ میں بھروسہ کرے اس کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس کا نقصان کرنا حلال نہیں ہے (اس کا مقصد یہ نہیں کہ دوسروں کو کم دینا جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یوں تو عام خریداروں کو نقصان پہنچانا یا کم دینا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس آدمی کے ساتھ یہ برتا جو تمہاری ایمانداری اور دیانت پر بھروسہ کرتا ہو اور بھی برا ہے) اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی بات پسند کرو جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہو حق دو اور حق لو۔ نہ ڈرو اور نہ خیانت کرو۔ بیشک سچا تاجر قیامت کے روز فرشتوں کیساتھ ہوگا قسم کھانے

سے پرہیز کرو۔ کیونکہ جھوٹی قسمیں قسم کھانے والے کو جہنم کا مستحق بناتی ہیں۔ تاجر فاجر (بدکار) ہے مگر وہی اس سے مستثنیٰ ہے جو حق دے اور حق لے۔ اور جب سفر تجارت کا قصد کرو یا کسی اہم ضرورت میں گھر سے نکلو تو خدا سے دعا اور طلب خیر زیادہ کرو۔ من القرآن (وسائل)

میرے والد بزرگوار نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے جد حضرت امیر المومنین ع سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا ص اپنے اصحاب کو طلب خیر کے طریقے اور دعائیں سورۂ قرآن کی طرح سکھایا کرتے تھے۔

کم تولنے کی مذمت

(۱) وَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (رحمان)

"اور خدا نے انصاف کو قائم کیا تاکہ تم لوگ ترازو (سے تولنے) میں نا انصافی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ اور تول کم نہ کرو"

ناپ تول میں کمی کرنے والے کیلئے تباہی ہے

(۲) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مطففین)

"ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی (وتباہی) ہے۔ جو اوروں سے جب ناپ کرتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب اُن کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ وہ ایک بڑے (سخت) دن کے لئے

اٹھائے جائیں گے۔ جس دن تمام لوگ سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ٹھہرے ہوں گے۔"

(۳) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ط

(بنی اسرائیل)

"جب ناپ کر دینا ہو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو۔ اور جب تول کر دینا ہو تو ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔ یہی اچھا طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے۔"

(۴) اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ط

(شعراء)

"پیمانہ پورا کر دیا کرو۔ اور کم دینے والوں میں سے نہ ہو۔ اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی (خریدی ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اور اس (پیدا کرنے) والے سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔"

ناپ تول میں کمی کرنے سے قومیں مبتلائے عذاب ہو چکی ہیں

صفوان راوی ہیں:۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان فیکم خصلتین ھلک بھما من قبلکم من الامم قالوا وما ھما یا ابن رسول اللہ

"جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ اصحاب نے

قال المکیال والمیزان۔ پوچھا اے فرزند رسول وہ چیزیں کیا ہیں؟

فرمایا پیمانہ اور ترازو۔"

ناپ تول میں کمی نہ ہونے اور مذکورۂ بالا احکام پر یقینی عملدرآمد کرنے کے لئے مستحب قرار دیا گیا ہے کہ خریدار کو کچھ زیادہ ہی دیا جائے۔"

وزن کب پورا ہوگا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

لایکون الوفاء حتی یمیل المیزان۔ "وہ وزن پورا نہیں ہوتا جبتک ترازو جھک نہ جائے"

غبن حرام ہے (۱) غبن المسترسل سحت "بھروسہ کرنیوالے کو کم دینا حرام ہے"۔

(۲) غبن المومن حرام۔ "مومن کو کم دینا حرام ہے"

شرط بیع یہ ہے کہ مقدار شئے معلوم اور معین ہو۔ شرائع الاسلام میں ہے:۔

وان یکون المبیع معلوماً فلا "شرط بیع یہ بھی ہے کہ مقدار مبیع معلوم ہو

یجوز بیع مایکال ویوزن پس جو چیز کہ پیمانہ سے فروخت کیجاتی ہے

اویعد جزافاً ولوکان مشاهداً اور جو شئے وزن سے فروخت کیجاتی ہے

کالصبرة ولا بمکیال مجهول۔ اور جو شئے شمار کرکے بیچی جاتی ہے

اُس کو تخمین اور خیالی اندازہ سے فروخت کرنا ناجائز ہے اگرچہ

وہ شئے آنکھوں کے سامنے ہو۔ جیسے کہ غلہ کی ڈھیری۔ اسی طرح چیز دل

کا ایسے پیمانہ سے بیچنا بھی ناجائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو سکے۔

"تاجروں کیلئے قسمیں اور دستکاروں کیلئے آج اور کل کے جھوٹے وعدے تباہی کے باعث ہیں۔" حدیث نبوی میں ہے۔

ویل لتجار امتی من لا واللہ ''میری امت کے تجارت کی تباہی ہے

وبلیٰ واللہ ویل لصناع امتی لاو اللہ'' اور ''بلے واللہ'' یعنی جھوٹی

من الیوم وغداً قسموں سے اور دستکاروں کی تباہی ہے

''آج'' اور ''کل'' کے جھوٹے وعدوں سے''

حد سے سوا نفع خوری کی شدید مذمت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو جس کا نام ''مصادف'' تھا ایک ہزار اشرفیاں دیں اور فرمایا کہ مال تجارت خرید کر مصر جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ جائے اور فروخت کرے اُس نے سامان تجارت خرید کیا اور روانہ ہوا۔ وہ اور اُس کے رفقاء سفر مصر کے قریب پہنچے تو ادھر سے ایک قافلہ واپس آتا ہوا اُن سے ملا۔ ان لوگوں نے اپنے مال تجارت کی بابت پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ چیزیں وہاں نایاب ہیں۔ اور وہ ایسی چیزیں تھیں جن کی ضرورت عام طور سے ہوا کرتی ہے ان لوگوں نے یہ خبر پاتے ہی آپس میں عہد و پیمان کر لیا کہ ایک اشرفی کے مال پر ایک ہی اشرفی نفع لیں گے۔ جب وہ اس قرارداد پر سب مال فروخت کر کے واپس ہوئے اور مصادف نے حضرت کی خدمت میں واقعہ بیان کیا کہ کس طرح اُن لوگوں نے عہد و پیمان کیا اور کیوں کر سامان تجارت گراں قیمت پر بیچا تو آپ نے فرمایا:۔

سبحان اللہ تخلفون علی قوم ''سبحان اللہ! تم کیسے لوگ ہو کہ مسلمانوں کے مسلمین ان لا تبیعوھم الا بربح بارے میں آپس میں یہ عہد و قسم کرتے ہو کہ

الدينار ديناراً ثم اخذ الكيسين وقال هذا راس مالي ولا حاجة لنا في هذا الربح ثم قال يا مصارف مجالدة السيوف اهون من طلب الحلال —

(فروع کافی)

اُن کے ہاتھ ایک اشرفی پر ایک اشرفی نفع لئے بغیر نہ بیچو گے۔ پھر حضرتؑ نے دونوں تھیلیاں لیں اور فرمایا کہ یہ ایک تو میرا راس المال ہے اور (دوسری تھیلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) مجھے اس نفع کی حاجت نہیں ہے۔ پھر فرمایا۔ اے مصارف! تلواروں سے لڑنا طلب حلال کی بہ نسبت آسان ہے۔

خبر غیب کا ایک آئینہ جس میں ہمارے زمانہ کے حالات کی تصویریں نظر آتی ہیں :—

نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :—

ياتي على الناس زمان عضوض يعض المومن فيه على ما في يديه ولم يومر بذلك قال الله عز وجل ولا تنسوا الفضل بينكم تنهض فيه الاشرار وتستذل الاخيار ويبايع المضطرون وقد نهى رسول الله عن بيع المضطرين —

"لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے۔ جس میں خوشحال لوگ اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑیں گے حالانکہ حکم خدا یہ نہیں ہے۔ اُس کا فرمان تو یہ ہے کہ آپس میں نیک سلوک کرنا نہ بھولو۔ اسی زمانہ میں اشرار شورش و فساد پر اٹھ کھڑے ہونگے اور نیک لوگ ذلیل کئے جائیں گے

اور مضطر لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کی جائے گی۔ حالانکہ جناب رسول ص نے بیع المضطرین سے منع فرمایا ہے۔"

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:-

یاتی علی الناس زمان عضوض یعض کل امرء علی ما فی یدیہ و ینسی الفضل وقد قال اللہ ولا تنسوا الفضل بینکم ثم یبنری فی ذلک الزمان اقوام یبایعون المضطرین[1] اولئک ھم شرار الناس۔ (وسائل)

لوگوں پر ایک نہایت سخت زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آدمی اپنے مال و دولت کو دانتوں سے پکڑے گا۔ اور بزرگانہ کردار کو جلا دے گا۔ حالانکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ تم لوگ باہم حسن سلوک نہ بھولو۔ پھر اس زمانہ میں ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو مضطر لوگوں سے خرید و فروخت کریں گے وہ بدترین انسان ہوں گے۔

[1] "مضطر" سے وہ شخص مراد ہے جو ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے مال و متاع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے۔ ایسے موقع سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور صاحب حاجت کی ضرورت اور مجبوری کو غنیمت سمجھ کر اوس کے مال و متاع کو کم سے کم قیمت پر خرید لینا چاہتے ہیں۔ شریعت اسلام نے اس فعل کو خلاف دین و مروت قرار دیا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ مضطر کے ذخیرہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اس کے مال و متاع کی واجبی قیمت ادا کی جائے۔ یا اس کو بقدر ضرورت روپیہ دیدیا جائے۔ اور اس طرح اس کو اپنا مال و متاع نقصان پر فروخت کرنے سے بچا لیا جائے۔ اس صورت میں "بیع" کے معنی "شراء" یعنی خریدنے کے ہونگے۔ یا "بیع" ... گا

لیکن جس طرح انسان شدید ضرورت سے اپنے مال و متاع کو کم سے کم قیمت پر نقصان اٹھا کر بیچ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے — اسی طرح ضروریات زندگی کو ہر قیمت پر خریدنے کی مجبوری بھی پیش آتی ہے — جبکہ سرمایہ دار اور سالکان متاع و جنس ذخیرہ اندوزی و نفع بازی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں — اشیاء ضرورت ان کے قبضے میں ہوتی ہیں — اور حاجتمند مضطر ہوتے ہیں — کے ان کی من مانی قیمت ادا کر کے ضروریات زندگی خریدیں — جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عام طور سے ہو رہا ہے — کہ ضروری اشیاء پر سرمایہ داروں اور ذخیرہ اندوزوں کا قبضہ ہے اور ہر شخص ان کی مطلوبہ قیمت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ادا کرنے پر مجبور ہے — لہٰذا جس طرح بیچنا اضطرار سے ہو سکتا ہے — اسی طرح خریدنے میں بھی اضطرار کی صورت پیدا ہو سکتی ہے — لہٰذا یہ حدیث اضطرار کی دونوں صورتوں سے تعلق رکھتی ہے — بلکہ الفاظ حدیث سے اضطراری خریداری کا احتمال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب کیساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہیئے

حدائق ناضرہ میں ہے:—

یستحب ان یساوی بین المبتاعین فالصغیر عندہ بمنزلۃ الکبیر و الغنی کالفقیر و المجادل کغیرہ و المراد ان لا یتفاوت بینھما و الظاھر انہ لو فاوت بینھما بسبب الدین و الفضل فلا باس قیل و لکن للآخذ قبولہ لکون ذلک صدقۃ حتی نقل ان السلف کانوا یکلون فی الشراء

"مستحب ہے کہ تمام خریداروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے (اور مال سب کو برابر قیمت پر دے) اس کے نزدیک چھوٹا بمنزلہ بڑے کے اور غنی بمنزلہ فقیر کے ہو — اور قیمت طے کرتے میں جھگڑنے والا نہ جھگڑنے والے کے برابر ہو — اور مراد اس سے یہ ہے کہ قیمت کم کرانے اور نہ کرانے دونوں صورتوں میں الفاظ کوئی فرق نہ کرے

من لا یعرف هرباً من ذلک۔ (ایسا نہ ہو کہ قیمت کم کرانے والے کے لئے قیمت گھٹا دے اور جس نے قیمت میں بحث نہ کی اس سے زیادہ وصول کرے۔"

کسی کو دوسرے کے معاملہ میں دخل نہ دینا چاہیے:۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نھی رسول اللہ صلعم ان ید خل الرجل فی سوم اخیہ المسلم۔ "جناب رسول نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے برادر مومن کے سودے میں دخل نہ دے یعنی جس چیز کو کوئی مومن خرید رہا ہو اس کی قیمت کم یا زیادہ کر کے خود نہ خریدے۔"

مقصد یہ ہے کہ جس چیز کو کوئی مرد مسلم خرید تا ہو اس کے معاملہ میں دخل دینا اور قیمت کم یا زائد کر کے خود لینا برا اور ممنوع ہے۔"

"نجش" حرام ہے:۔

ارشاد نبوی ہے:۔

والناجش والمنجوش ملعونون "ناجش اور منجوش سب کے سب ملعون ہیں۔"

تعریف "نجش":۔

تعریف "نجش" کے متعلق حدائق ناضرہ میں ہے:۔

والظاھر ان المراد بہ ھو ان یواطئ البائع رجلا اذا اراد بیعاً ان یساومہ بثمن کثیر لیقع فیہ غیرہ

"نجش" کے معنی یہ ہیں کہ تاجر خریدار کو پھانسنے کی بد تدبیر کرے کہ کسی شخص کو اس طرح اپنے موافق بنائے کہ جب وہ مال بیچنا چاہے تو وہ شخص

يواطئ البائع رجلاً اذا اراد بيعها ان يساومه بثمن كثير ليقع فيه غيره والمشهور في كلام الاصحاب تحريمه ط

پھانسنے کی یہ تدبیر کرے کہ کسی شخص کو اس طرح اپنے موافق بنالے کہ جب وہ مال بیچنا چاہے تو وہ شخص زیادہ قیمت پر اس سے سودا ٹھہرانے کی بات چیت کرے تاکہ ناواقف خریدار اس کے فریب میں آجائے اور مشہور یہ ہے کہ "نجش حرام ہے۔"

دھوکے۔فریب۔ملاوٹ کا حکم

حدائق ناظرہ میں ہے:۔

الاول في الغش بالخفي كشوب اللبن بالماء ولا خلاف في تحريمه ...... اما لو غش بما لا يخفى كالتراب يجعله في الحنطة والردي منها بالجيد فظاهر الاصحاب عدم التحريم وان كان مكروهاً لظهور العيب المذكور للمشتري فهو انما اشترى راضياً به ولعل وجه الكراهة عندهم انه تدليس في الجملة وانه ربما يغفل عنه المشتري سيما مع كثرة الجيد اذا خلطه بالردي۔

"اول ایسی چیز ملادینا جو ظاہر نہ ہو۔ جیسے دودھ میں پانی ملانا تو اس فعل کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں .... ہاں اگر ایسی چیز ملائی جائے جو چھپ نہ سکتی ہو مثلاً گیہوں میں مٹی اور عمدہ گیہوں میں خراب ملادینا تو علماء کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت حرام نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ اور وجہ حرام نہ ہونے کی یہ ہے کہ خریدار پہ عیب ظاہر رہتا ہے۔ اور جب اس نے اس عیب کو دیکھتے ہوئے خریدا تو اس پر راضی تھا۔ اور وجہ کراہت شاید یہ ہو کہ یہ تدلیس ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خریدار اس عیب سے غافل رہ جاتا ہے خصوصاً جبکہ اچھے گیہوں (یا کسی اور غلے) کی کثیر مقدار میں خراب کی مقدار تھوڑی سی ملائی ہو۔"

"غش" کی ممانعت میں جس قدر اہتمام پیش نظر شریعت ہے وہ احادیث ذیل سے ظاہر ہے۔

لیس من المسلمین من غشہم۔ "وہ شخص مسلمانوں کے زمرہ سے خارج ہے جو ان کے ہاتھ بغیر خالص مال بیچتا ہے"

خرید و فروخت اُجالے میں ہونی چاہیئے نہ کہ اندھیرے میں

(۲) ان البیع فی الظلال غش و الغش لا یحل۔ "ایسے اندھیرے مقام میں بیچنا جہاں مال کا عیب ظاہر نہ ہو سکتا ہو "غش" (دھوکا دینا) ہے اور "غش" جائز نہیں۔

دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت

(۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نہی النبی ص ان یشاب اللبن بالماء للبیع۔ "جناب رسولؐ نے دودھ میں پانی ملانے کی ممانعت کی ہے"

تلقی الرکبان کی مذمت:

اکثر سرمایہ دار تاجروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ دیہات سے آنے والے سامان تجارت کو شہر سے باہر ہی سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ تاکہ شہر میں من مانی قیمتوں پر فروخت کریں۔ تاجروں کو اس کا موقع نہیں دیتے...... کہ بازار شہر تک پہونچیں اور نرخ سے واقف ہو جائیں۔ اس کو اصطلاح فقہ اسلام میں "تلقی الرکبان" کہتے ہیں۔ اس کو بعض فقہاء حرام قرار دیتے ہیں اور اس کے فعل مکروہ ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق فروع و جزئیات پر اطلاع کتب فقہ اسلام سے حاصل کی جا سکتی ہے یہاں صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ طریقہ بے جا نفع خوری

کے علاوہ ناواقف دیہاتی بیوپاریوں اور عامہ خلائق کے ضرر عظیم کا احتمال بھی رکھتا ہے اس وجہ سے۔ شرع اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور منشاء شریعت یہ ہے کہ مال تجارت بازاروں میں آجائے۔ اور لانے والوں کو نرخ بازار معلوم ہو جائے۔ اور عامۃ الناس ان سے براہ راست معاملہ خرید و فروخت کریں اور سرمایہ داروں کی من مانی قیمتوں کی گرانباری سے محفوظ رہیں اسی غرض سے یہ حکم بھی دیا ہے کہ کوئی شہری تاجر ان دیہاتی بیوپاریوں کسانوں کا وکیل نہ بنے۔ جو مال کی قیمت نرخ بازار کے مطابق نہ جانتا ہو۔ یہ دونوں حکم اس حدیث نبوی میں مذکور ہے:۔

لا یتلقی احدکم تجارۃ خارجاً من المصر ولا یبیع حاضر لباد والمسلمون یرزق اللہ بعضہم من بعض۔

"تم میں سے کوئی شخص سامان تجارت کو شہر سے باہر نکل کر نہ خرید لیا کرے اور کوئی شہری گاؤں والے کی طرف سے نہ بیچے۔ خدا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے رزق پہنچاتا ہے۔"

مکاسب شیخ مرتضی رح میں ہے:۔ ص ۲۱۰

فیحتمل ان تکون العلۃ فی کراھۃ التلقی مسامحۃ الرکب فی المیزان بما لا یتسامح بہ المتلقی او مظنۃ حبس المتلقی ما اشترا او ادخارہ عن اعین الناس

"احتمال ہے کہ تلقی الرکبان" کے مکروہ ہونے کی علت یہ ہو کہ دیہات کے آنے والے بیوپاری تول میں بیرچشمی و نرمی و تساہل کا وہ برتاؤ کرتے ہوں جو "متلقی" (شہر سے باہر نکل کر مال خرید لینے والا) نہ کرتا ہو

وبيعه قدرا يحتاجه بخلاف ما اذا
اتى الراكب وطرحوا امتعتهم
في الخانات والاسواق فان له
اثرا بينًا في امتلاء اعين الناس
خصوصا المفطر وقت الغلاء
اذا اتى بالطعام —

ہو۔ یا اس کا احتمال ہو کہ تلقی کرنے والے
خریدی ہوئی جنس ومتاع کو اپنے پاس
روک لیں گے۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے
غائب کر کے رفتہ رفتہ نکال کر چور بازاری
کے طریقہ پر مہنگے داموں فروخت کریں گے
بخلاف اس کے جب باہر کے بیوپاری بازار
اور منڈیوں میں آئیں گے اور متاع وجنس دوکانوں میں لاکر ڈالیں گے
تو عامہ خلائق کے اندر سیر چشمی کی کیفیت پیدا ہونے میں اس کا نمایاں اثر
ہوگا خصوصًا محتاجوں کے اندر جبکہ قحط کے زمانہ میں سامان خوراک
لایا جائے گا"۔

سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی یعنی "احتکار" کی حرمت وکراہت

غرض مقصود شریعت تجارتی کاروبار کے ایسے تمام طریقہ کو ممنوع قرار
دینا ہے جن سے بیجا نفع خوری کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور عامہ خلائق کی ضروریات زندگی
کے مہیا ہونے میں تنگی ودشواری پیدا ہوتی ہے انہیں میں ایک بدترین طریقہ احتکار کا
ہے۔ اور اس سے مراد سامان غذا کی اس غرض سے ذخیرہ اندوزی ہے کہ
قیمتوں کے گراں ہو جانے کے وقت مہنگے داموں پر فروخت کیا جائے۔ فقہاء نے
اس کی تعریف یوں کہا ہے :—

هو جمع الطعام وحبسه يتربص

غذائی اشیاء کو گرانی کے انتظار میں

به الغلاء۔

کنز العرفان میں ہے۔

قیل الاحتکار مکروہ لقول الصادق علیه السلام مکروہ ان تحتکر الطعام وتترک الناس لا شیء لهم وقیل حرام وهو الاصح لقوله صلی الله علیه وآله الجالب مرزوق والمحتکر ملعون وانما یکون حراماً بشرطین احدهما حبس القوت الذی هو الحنطة والشعیر والتمر والزبیب والسمن والملح طلباً للزیادة فی الثمن وثانیهما ان لا یوجد باذل سواه فیجبر علی البیع وهل یسعر علیه قیل نعم لاشتمال الجبر و قیل لا وهو الاصح لقوله علیه السلام

مسلطون علی اموالهم

وقوله ایضاً الاسعار الی الله اللهم الا ان یطلب شططاً فیسعر علیه۔

جمع کر رکھنا "احتکار" ہے۔

"کہا گیا ہے "احتکار" مکروہ ہے کیونکہ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ بات مکروہ ہے کہ تم سامان خوراک کے ذخیرے بند کر کے رکھو اور لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ دو کہ اُن کے پاس کھانے کا سامان کچھ نہ ہو۔ یہ قول بھی ہے کہ "احتکار" حرام ہے۔ اور یہی قول صحیح ترین ہے کیونکہ رسالتمآب نے فرمایا ہے ضروریات زندگی (سامان خوراک وغیرہ) ادھر اُدھر سے لانے والے تاجر پر خدا کی رحمت ہے اور احتکار کرنے والے (بغرض نفع خوری ذخیرہ اندوزی کرنے والے) پر خدا کی لعنت۔ اور "احتکار" کے حرام ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک شرط تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ہے وہ اشیاء خوردنی ہوں۔ یعنی گیہوں۔ جو۔ خرما۔ کشمش روغن۔ نمک (بس انہیں غذا کی چیزوں میں

احتکار نہ ہوگا) جبکہ مقصد زیادہ قیمت حاصل کرنا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان اشیاء خوراک کا بیچنے والا نہ ہو۔ اس صورت میں اسکو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ آیا حکومت کی طرف سے اس کا نرخ بھی معین کیا جائے گا؟۔ تو بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ ہاں یہ بات ضروری ہے ورنہ بیچنے پر مجبور کرنے کا فائدہ ہی کچھ نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قیمت مقرر کرنے کا حق خود مالک مال کو اختیار حاصل ہوگا۔ یہی قول صحت سے قریب تر ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ "لوگ اپنے مال پر تسلط رکھتے ہیں (مال ان کا ہے اُن کو ہر طرح فروخت کا حق ہے) نیز حضرت ع کا ارشاد ہے کہ نرخ کا تقرر خدا کے ذمہ ہے۔ مگر جبکہ مال کا مالک حق سے بہت زیادہ قیمت مانگتا ہو تو اُسی کے اسی ظلم و جور کی وجہ سے نرخ مقرر کر دیا جائے گا"۔۱۲

احتکار کی مذمت

حدیث نبویؐ میں ہے:۔

ایما رجل اشتری طعاماً فحبسہ اربعین صباحاً یزید بہ الغلاء للمسلمین ثم باعہ فتصدق بثمنہ لم یکن کفارۃ لما صنع۔

"جس آدمی نے کھانے کا سامان خریدا اور اسکو چالیس دن اس لئے روک رکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کرے پھر اُس نے اُس کو فروخت کیا اور اُس کی قیمت فقیروں پر تصدق کر دی تو یہ تصدق اس کے برے کرتوت کا کفارہ نہ ہوگا"

"احتکار" کی مدت کا تعین، ارزانی کے زمانہ میں چالیس دن اور گرانی کے زمانہ میں تین دن سے زیادہ سامان غذا کی ذخیرہ اندوزی احتکار ہے

حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

الحكرة في الخصب اربعون يوماً
وفي الشدة والغلاء ثلاثة ايام
فما زاد على الاربعين يوما في
الخصب فما زاد على الاربعين
يوما في الخصب فصاحبه ملعون
وما زاد على ثلاثة ايام في
العسرة فصاحبه ملعون

"احتکار" کی مدت ارزانی و خوشحالی کے
زمانہ میں چالیس دن اور سختی و قحط کے ایام
میں تین دن ہے۔ جو شخص ارزانی و خوشحالی
کے زمانہ میں چالیس دن سے زیادہ غذا کی
چیزوں کو روک رکھے گا تو وہ ملعون ہوگا۔
اور جو آدمی تنگی کے دنوں میں تین روز
سے زیادہ روک رکھے گا وہ ملعون ہوگا۔

حضرت امیرؑ کا فرمان "احتکار" کی ممانعت، ذخیرہ اندوزوں کو سزا دو

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے مالک اشتر والی مصر کو جو حکومت کا مبسوط دستور العمل لکھکر بھیجا تھا اس میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:-

فامنع من الاحتكار فان رسول
الله منع منه وليكن البيع بيعاً
سمحاً بموازين عدل لا يجحف
بالفريقين من البائع والمبتاع فمن
قارف حكرة بعد نهيك اياه
فنكل وعاقب في غير اسراف۔

"تم تاجروں کو "احتکار" سے باز رکھو کیونکہ
جناب رسولخدا صلعم نے اس کی ممانعت
فرمائی ہے اور لازم ہے کہ فروخت سہل
(اور سیر چشمی سے) پورے پورے اور
برابر ہو۔ اور ایسے نرخ پر ہو جس سے
فریقین (بائع و مشتری) میں سے کسی
کو خسارہ نہ ہونے پائے۔ جو شخص تمہارے حکم امتناعی کے بعد بھی
"احتکار" (ذخیرہ اندوزی) کا مرتکب ہو اسکو بغیر ظلم و زیادتی کے سزا دو"

حضرت امیر المومنین علیہ السلام راوی ہیں :۔

"انہ مر بالمحتکرین فامر بحکرتھم ان تخرج الی بطون الاسواق وحیث تنظر الابصار الیھا۔"

"جناب رسالتمآب ذخیرہ اندوزی کرنے والے تاجروں کے پاس سے گذرے تو حکم صادر فرمایا کہ ذخیرہ کئے ہوئے مال کو بازاروں میں منظر عام پر لائیں۔"

اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اُس کی مصلحت صاحب مکاسب کی مذکورہ بالا عبارت میں بیان کی گئی ہے۔ بازاروں اور منڈیوں میں سامان خوراک کا بکثرت آنکھوں کے سامنے ہونا ایک نفسیاتی اثر رکھتا ہے۔ آسودگی خاطر و اطمینان قلب میں اس کو خاص دخل ہوا کرتا ہے۔ جس سے آجکل ہماری دنیا بالکل محروم ہے۔"

سال بھر کی خوراک جمع کر لینا پسندیدہ کام ہے

اگرچہ شریعت اسلام سال بھر کی خوراک کا فراہم کر لینا فعل حسن و کار پسندیدہ قرار دیتی ہے۔" ارشاد نبوی ہے :۔

ان النفس اذا احرزت قوتھا استقرت۔ "نفس جب اپنی خوراک پوری حاصل کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔"

اسی بنا پر آئمہ دین و اکابر اسلام کا سیرت یہی رہی ہے کہ سال بھر کے لئے سامان خوراک ذخیرہ کر لیتے تھے ایک طویل روایت میں منقول ہے :۔

قال ثم من قد علمتم فی فضلہ وزھدہ سلمان و ابوذر رحمھما اللہ "حضرت نے فرمایا۔ سلمان و ابوذر رحمہما. جن کے فضل و زہد کا حال تم کو معلوم ہے"

فاما سلمانؓ فکان اذا اخذ عطائه رفع منه قوته لسنته حتی یحضر عطائه من قابل فقیل له یا ابا عبد اللهؑ انت فی زهدک تصنع هذا وانت لا تدری لعلک تموت الیوم او غداً فکان جوابه ان قال مالکم لا ترجون لی البقاء کما خفتم علی الفناء اما علمتم یا جهلة ان النفس قد تلتاث علی صاحبها اذا لم یکن لها من العیش ما تعتمد علیه فاذا هی احرزت معیشتها اطمأنت ـ

(وسائل)

اُن کا طریقہ بھی یہی تھا کہ سامان خوراک اپنے پاس مہیا کر لیتے تھے ـ سلمانؓ جب اپنا مقرر وظیفہ پاتے تھے تو اس سے سال بھر کی غذا کا سامان مہیا کر لیتے تھے ـ کسی نے عرض کی یا ابا عبد اللہ! آپ کا باوجود زہد یہ طریقۂ عمل ہے ـ حالانکہ یہ خبر نہیں رکھتے ہیں کہ آج موت آ جائے گی یا کل؛ تو آپؑ نے جواب دیا کہ تم کو جس طرح میرے لئے فناء موت کا ڈر ہے اُسی طرح میری بقا کی امید کیوں نہیں ہے (جس طرح یہ احتمال ہے کہ آج یا کل مر جاؤں گا اُسی طرح یہ بھی امید ہے کہ زندہ رہ جاؤں) اے جاہلو! جب سامان معیشت جس پر بھروسہ ہو فراہم نہیں رہتا تو نفس پریشانی میں گرفتار رہتا ہے اور جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔

زمانۂ قحط میں ذخیرۂ خوراک فروخت کر دینا مستحب ہے

راشننگ کے طریقہ کی رضاکارانہ ترغیب

لیکن قحط وگرانی کے زمانہ کے لئے مستحب ہے کہ انسان اپنا ذخیرۂ خوراک

فروخت کر دے اور ہر دن بقدر ضرورت خرید لیا کرے۔ اور اس طرح راشننگ کا جو طریقہ حکومتیں جبر و تشدد سے جاری کرتی ہیں اس کو شریعت اسلام اخلاقی بنیاد پر رضاکارانہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

معتب راوی ہیں :-

قال ابوعبداللہ ع وقد یزید السعر بالمدینۃ کم عندنا من طعام قال قلت عندنا ما یکفینا اشھر اکثیرۃ قال اخرجہ و بعہ قال قلت لہ ولیس بالمدینۃ طعام قال بعہ فلما بعتہ قال اشتر مع الناس یوماً بیوم وقال یا معتب اجعل قوت عیالی نصفاً شعیراً ونصفاً حنطۃ فان اللہ یعلم انی واجد ان اطعمھم الحنطۃ علی وجھھا ولکنی اجبت ان یرا اللہ قد احسنت تقدیر المعیشۃ۔

"مدینہ میں غذا کا نرخ چڑھ گیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ سامان خوراک ہمارے پاس کتنا ہے؟ میں نے کہا۔ اتنا سامان ہے جو کئی مہینے کے واسطے کافی ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ اس کو نکالو۔ اور بیچ ڈالو۔ معتب کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ مدینہ میں غذا کا سامان نہیں ہے۔ آپ ع نے فرمایا تم اپنا ذخیرہ بیچ ڈالو۔ جب میں نے فروخت کر دیا تو فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ روز غذا کا سامان روز خرید و۔ اور فرمایا۔ اے معتب! میرے عیال کی خوراک میں آدھا جو رکھو اور آدھا گیہوں۔ خدا کو یہ معلوم ہے کہ میں ان کو صرف گیہوں کھلانے پر دسترس رکھتا ہوں مگر مجھے یہ بات پسند ہے کہ خداوند عالم یہ دیکھے کہ میں نے انداز معیشت اچھا مقرر کیا ہے۔"

اسی مضمون کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا :-

سیرت آئمہ اسلام

فانا نکرہ ان ناکل جیداً و یاکل الناس ردیاً - (وسائل)

" مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں عمدہ غذا کھاؤں - اور لوگ بری غذا کھائیں "

دوسری روایت میں ہے :-

کان ابو الحسنؑ امرنا اذا ادرکت الثمرۃ ان نخرجھا فنبیعھا و نشتری مع المسلمین یوماً بیوم - (وسائل)

" حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ہمکو یہ حکم تھا کہ جب خرما کے پھل پختہ ہو جائیں تو ان کو فروخت کر ڈالیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہر روز کی خوراک ہر روز خریدیں "

شراب اور قمار کی حرمت

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؏ (مائدہ)

" اے ایماندارو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک اور شیطانی ہی کام ہیں - تو تم لوگ اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ - شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوے کی وجہ سے عداوت اور دشمنی ڈال دے - اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم اس سے باز آنے والے ہو "

اس آیت کے متعلق چند باتیں مجملاً قابل ذکر ہیں:۔

(اول) شراب و قمار کو شریعت اسلام نے جرم قرار دیا ہے اور اس کی وجہیں بھی بتائی ہیں۔ کنز العرفان میں ہے:۔

اِنما خص العداوۃ والبغضاء بالخمر والمیسر لان الخمر موجب لزوال العقل والمیسر موجب لزوال المال وزوال العقل والمال موجبان للعداوۃ والبغضاء بخلاف الانصاب والازلام فانھما یوجبان سخط اللّٰہ والناس لا العداوۃ بین العابدین۔

"عداوت و دشمنی کو خدا نے شراب اور جوئے کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شراب عقل کے زوال کا باعث ہوتی ہے اور جوا مال کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور عقل و مال کے زوال سے عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہے بخلاف اس کے بُت اور پانسے خدا کی ناراضی اور جہنم کی سزا کے موجب ہوتے ہیں۔ مگر پوجنے والوں کے درمیان عداوت کا باعث نہیں ہوا کرتے"

تجارت مسکرات کی ممانعت

شراب اور تمام مسکرات کی تجارت اور ان کے ذریعے سے روپیہ پیدا کرنے کی تمام صورتیں بھی حرام قرار دی گئی ہیں اور اس کے متعلق عام اصول اس حدیث نبوی میں مذکور ہے:۔

ان اللّٰہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ۔ "جب خدا نے کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی قیمت بھی حرام کر دی"

نیز جابر صحابی رضؓ راوی ہیں:۔

ان رسول اللّٰہؐ لعن الخمر "جناب رسولؐ نے شراب اور اس کے

وشاربها وعاصرها وساقیها وبایعها واکل ثمنها فقام الیہ اعرابی فقال یا رسول اللہ انی کنت رجلا ھذہ تجارتی فحصل لی من بیع الخمر مال فھل ینفعنی المال ان عملت بہ طاعۃ فقال صلی اللہ علیہ وآلہ لو انفقتہ فی حج او جھاد ولم یعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ان اللہ لا یقبل الا الطیب فنزلت قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ (کنز العرفان)

پینے والے اس کے بنانے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور اسکی قیمت کھانے والے سب ہی پر لعنت کی - تو ایک مرد اعرابی اٹھ کھڑا ہوا - اور عرض کی یا رسول اللہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی یہی تجارت رہی ہے اور مجھے شراب فروشی کے ذریعہ مال حاصل ہوا - اب اگر اسکو طاعت خدا میں صرف کروں تو وہ مجھے نفع دے گا؟ حضرت نے فرمایا اگر تو اس کو حج یا جہاد میں خرچ کرے گا تو وہ پر پشہ کے برابر بھی نہ ٹھہرے گا - خدا تو فقط پاک چیز کو قبول کرتا ہے - اسوقت یہ آیت اتری قُلْ لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ الخ

جوئے کی تمام قسمیں حرام ہیں

(سوم) کنز العرفان میں ہے:-

المیسر ھو القمار بسائر انواعہ کالنرد والشطرنج قال جل المفسرین ھو المروی عن اھل البیت علیہم السلام حتی قالوا ان لعب الصبیان بالجوز من

"جوئے کی تمام اقسام وانواع "میسر" ہیں مثلاً نرد و شطرنج وغیرہ تمام مفسرین اسی کے قائل ہیں اور یہی آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے بھی مروی ہے یہانتک کہ یہ بھی کہا ہے کہ بچوں کا جوز سے

القمار فيحرم التكسب به وعمل الآلة وبيعها والجلوس في مجلس يكون فيه قال رسول الله ص اللاعب بالنرد شير كمغمس يده في لحم الخنزير ودمه وقال الصادق عليه السلام اللعب بالشطرنج شرك والسلام على اللاهي به معصية

کھیلنا بھی "قمار" میں داخل ہے لہذا قمار کے ذریعہ روپیہ کمانا اس کے آلات بنانا اور بیچنا اور اسی جگہ بیٹھنا جہاں قمار ہو رہا ہو یہ تمام امور حرام ہیں۔ حضرت رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے نرد کھیلنے والا مثل اس آدمی کے ہے جس کے ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں آلودہ ہوں اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شطرنج کھیلنا شرک ہے اور شطرنج کھیلنے میں جو شخص مشغول ہو اس پر سلام کرنا گناہ ہے۔"

تحریم اشیاء کا عام اصول۔ ضرر و نفع کے تناسب حکیمانہ نظر

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا

"اے رسولؐ! تم سے لوگ شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تم ان سے کہو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (کچھ) فائدے (بھی) ہیں۔ مگر ان کی برائی ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔"

شراب، قمار، جوے کی حرمت پر تو پہلی ہی آیات سے پوری روشنی پڑ چکی تھی لہذا یہ آیت محض اس غرض سے یہاں پیش نہیں کی ہے کہ ان محرمات کی حرمت واضح کیجائے بلکہ اس میں سے ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جو تحریم اشیاء کے متعلق شریعت اسلام کا عام بنیادی اصول قرار پاتی ہے۔ اشیاء مذکور کے

کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ ان میں افراد انسان کے لئے منافع بھی ہیں۔ مگر ان کا ضرر بہ نسبت اُن کے نفع کے بہت بڑا ہے۔ اور اُن کی وجہ تحریم یہی ہے۔

اس بیان قرآنی سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ نگاہ شریعت اسلام اشیاء کے منافع ہی پر نہیں پڑتی۔ بلکہ وہ یہ بھی دیکھتی ہے کہ منافع کے مقابلہ میں ضرر و نقصان کا تناسب کیا ہے۔ مگر کسی چیز میں ضرر کا پلہ منافع سے بھاری نظر آتا ہے اور نفع کم و نقصان زیادہ دکھائی دیتا ہے تو اس کو حرام قرار دیتی ہے۔

شود کی تحریم بھی اسی بنیادی نظریہ کے ماتحت ہے:- اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نفع و ضرر کے تناسب کا یہ اصول صرف تحریم شراب و قمار ہی پر حادی نہیں ہے بلکہ "تحریم ربوٰ" یعنی سودی کاروبار کی حرمت کی بنا بھی اسی اصول پر قائم کی گئی ہے۔

بے قید زندگی اور آزاد زندگی کی خواہش دنیا کے کسی مخصوص دور مادیت کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر زمانہ میں اہل دولت و ثروت کے دلوں میں مچلتی رہی ہے حضرت شعیبؑ سے اکابر قوم کا یہ خطاب اسی بے چین خواہش کا نتیجہ تھا۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ "وہ لوگ کہنے لگے اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز کا تم کو یہ حکم ہے کہ جن (بتوں) کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اُنھیں چھوڑ بیٹھیں یا ہم اپنے اموال میں جو کچھ چاہیں نہ کریں"

اس عصر فروغ مادیت میں "شود کی حرمت" کا وعظ سُننے والے بہت کم ہو نگے

کیونکہ یورپ وامریکہ کی بیش از پیش مادی ترقیوں نے عام نگاہوں کو مسحور کر رکھا ہے
اگر ان کو سودی کاروبار کے بغیر تجارت وصنعت وحرفت میں تمدنی ارتقا کا امکان
مفقود نظر آئے تو یہ امر حیرت انگیز نہ ہوگا۔ اور اس میں شبہہ بھی نہیں کہ جن ممالک
میں سرمایہ داری کا طاغوتی نظام چلایا جا رہا ہے وہاں کی ترقیوں کا راز سود ہی
کے اندر مضمر ہے۔ اور سودی کاروبار ہی کی بدولت سرمایہ داروں کو بام عروج پر
پہونچنا نصیب ہوا ہے۔ مگر نگاہ دیدۂ عبرت کے سامنے اُن کی تمدنی ترقیوں
کو کوئی قابل رشک مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ بلکہ وہ قابل رشک ہونے سے زیادہ
قابل عبرت ہیں۔ بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے نتائج فوراً نہیں کھلتے بلکہ اس کے
لئے طویل عرصہ تک انتظار درکار ہوتا ہے۔ اور بار بار کثرت سے اعادہ کی
احتیاج ہوتی ہے۔ سود خواری کے نتائج کو عاجلانہ نہیں بلکہ صبر آزما انتظار
کر کے دیکھا جائے تو روزمرہ کے واقعات شاہد بن جاتے ہیں کہ اخلاق انسانی
کے لئے زہر قاتل اور عامہ ناس کی آسائش وبہبود کے لئے بہت بڑی رکاوٹ ہے
زمانۂ حاضرہ عام معاشی تشویش وبے چینی وپریشانی کا دور ہے وہ سود"
دشمن انسانیت سرمایہ داری کا لعنت بپاہ ہو رہا ہے۔ دولت وثروت رفتہ
رفتہ سمٹ کر ایک مخصوص طبقے کا حصہ بن گئی ہے۔ اور کروڑوں عام خلائق
فقر وفاقہ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ جن کی معاشی تباہ کاریوں کا کوئی حل نکلنا
اہل عقل وتدبیر کے لئے جوئے شیر لانے کے برابر ہو رہا ہے۔ ایسے زمانہ میں
سودی کاروبار کی مضرت رسانی پر کاوش استدلال واستشہاد کی ضرورت
باقی نہیں ہے۔ عیاں راچہ بیاں ؟

ضروریات زندگی کے لئے محتاج عوام کا حال خراب یہ بنا دینے کے لئے کافی ہے کہ وہ نظام معیشت جس کی بنیاد سود خواری پر قائم ہے وہ باطل اور شیطانی نظام ہے اور جس نظام کا یہ انجام ہو کہ دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ ایک طرف دنیا کی بے انتہا دولت و ثروت کے مالک سرمایہ دار ہوں اور دوسری طرف بے شمار مفلس و نادار ننگے بھوکے بندگان خدا۔ وہ بے شبہہ ایسا نظام ہے جس کے گناہ اس کی منفعتوں سے بہت زیادہ ہیں زمانہ حاضرہ کے سودی کاروبار کے بیٹھے بڑے ادارے جنھیں "بینک" کہتے ہیں کیسے ہی عظیم الشان فوائد کے باعث ہوں مگر وہ محض چند سرمایہ داروں۔ ساہوکاروں اور پیشہ ور سود خواروں ہی کے لئے ہیں۔ عوام و غربا کے لئے نہیں۔ لہذا ان کی خوبیوں سے اُن کے عیوب و مفاسد عظیم تر ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام ہر قسم کے "سود" کو خواہ وہ قرض کے لین دین میں ہو۔ یا تجارتی کاروبار میں۔ بدترین جرم اور کسب معاش کا خبیث ترین طریقہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کا کلی انسداد اسلام کے نظام معیشت کا عظیم ترین نصب العین ہے۔ آیات قرآنی و احادیث اس پر شاہد ہیں :۔

سود خواری کی شدید مذمت

(۱) الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

وہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے نہ ہو سکیں گے۔ مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے لپٹ کر مجنوط الحواس بنا دیا ہو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جیسا خرید و فروخت کا کاروبار ویسا ہی

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔

سود کا معاملہ۔ حالانکہ خدا نے تجارت کو تو حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام قرار دیا ہے تو جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت (ممانعت) آ گئی اور وہ باز آیا پس اس سے پہلے جو وہ لے چکا تو وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اور جو پھر لینے لگے (اور تجارت و سود کے معاملہ کو یکساں بتائے گا) تو ایسے لوگ جہنمی ہیں۔ (اور) وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ خدا سود کو (بے برکت کر کے) مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور خدا ناشکر گزاروں۔ گنہگاروں کو دوست نہیں رکھتا۔

باقی ماندہ سود چھوڑ دو ورنہ خدا اور رسولؐ سے جنگ مول لو

(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۵۔

اے ایمان دارو! خدا سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لئے اصل مال ہیں۔ نہ تم نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے۔

سود در سود کی ممانعت

(۳) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! سود بڑھا بڑھا کر (سود در سود) نہ کھاؤ۔ اور خدا سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ" (النساء)

سود کے لین دین کی مذمت

(۴) وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (روم)

"اور تم لوگ جو سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں ترقی ہو تو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اور تم جو زکوٰۃ خدا کی رضا مندی کے ارادہ سے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ (بارگاہ خداوندی سے صلہ) دوچند لینے والے ہیں"

(۵) عَنْ اَبِیْ جعفر علیہ السلام اخبث المکاسب کسب الربٰو۔

"ذرائع کسب معاش میں خبیث ترین ذریعہ سود ہے"

(۶) عن علیؑ قال لعن رسول اللّٰهؐ الربٰو واٰکلہ وبائعہ ومشتریہ وکاتبہ وشاھدیہ۔

"حضرت امیر المومنینؑ راوی ہیں کہ جناب رسولؐ نے سود۔ سود خوار۔ خریدنے والے بیچنے والے معاملہ سود کے لکھنے والے اور گواہوں سب پر لعنت کی ہے"

سُود کی تحریم کی معاشی حکمتیں اور مصلحتیں

احادیث میں اُن اغراض ومصالح کو بھی بصراحت بیان کیا گیا ہے۔ جن کے پیش نظر سود کی کاروبار کی ممانعت

وتحریم واقع ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی آیات منقولہ بالا میں جو باتیں اشارۃً کہی گئی ہیں وہ احادیث میں تصریحاً مذکور ہیں۔

سماعہ راوی ہیں:۔

(۱) قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام انی قد رائت اللہ تعالیٰ قد ذکر الربا فی غیر آیۃ وکررہ فقال اوتدری لم ذلک قلت لا قال لئلا یمتنع الناس من اصطناع المعروف۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کی کہ میں نے یہ دیکھا کہ خدا نے سود کا تذکرہ کئی آیتوں میں مکرر فرمایا ہے حضرت نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا اس غرض سے کہ لوگ باہم نیکی کرنے سے باز نہ رہیں۔"

اگر سود کا لینا حلال ہوتا تو لوگ تجارت کا کاروبار چھوڑ دیتے جس کی عام احتیاج ہے

(۲) عن ھشام بن الحکم انہ سأل اباعبد اللہ عن علۃ تحریم الربوا فقال انہ لو کان الربوا حلالا لترک الناس التجارات وما یحتاجون الیہ فحرم اللہ الربو لتنفر الناس من الحرام الی الحلال والی التجارات من البیع والشراء۔

"ہشام بن الحکم راوی ہیں کہ انھوں نے جناب ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے سود کے حرام کیے جانے کی علت پوچھی تو حضرت نے فرمایا اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت چھوڑ بیٹھتے اور وہ کاروبار جس کی انھیں احتیاج ہے۔ اس واسطے خدا نے سود کو حرام کر دیا تاکہ

لوگ حرام سے حلال کی جانب اور خرید و فروخت کے کاروبار کی طرف توجہ کریں۔"

وجوہ تحریم رِبا کے متعلق امام علی رضا علیہ السلام کا مفصل ارشاد

محمد بن سنان راوی ہیں:—

ان بن موسی الرضاؑ کتب الیہ فیما کتب من جواب مسائلہ وعلة تحریم الربا لما نھی اللہ عزوجل عنہ ولما فیہ من فساد الاموال لان الانسان اذا اشتری الدرھم بالدرھمین کان ثمن الدرھم درھماً وثمن الآخر باطلاً فبیع الربا وشراءہ وکس علی کل حال علی المشتری و علی البائع فحرم اللہ عزوجل علی العباد الربا بالعلہ فساد الاموال

....

وعلة تحریم الربا بالنسیة لعلہ ذھاب المعروف وتلف الاموال و رغبة الناس فی الربح و

"حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے میرے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے منجملہ ان کے تحریر کیا کہ سود کی حرمت کی علت یہ ہے کہ خدا نے اس کی ممانعت کی ہے اور یہ وجہ ہے کہ اس میں مال کی خرابی و بربادی ہے اس لئے کہ جب انسان نے دو درہم کے عوض ایک درہم خریدا تو ایک درہم تو ایک کی قیمت قرار پایا مگر دوسرا درہم ضایع ہوا — (اس کا کوئی عوض اسکو نہ ملا) اس لئے سود کی خرید فروخت بہر حال باعث نقصان ہے اور اسی وجہ سے کہ سود مال کے ضایع ہونے کا باعث ہے خدا نے اسے حرام قرار دیا......

اور قرض کے معاملات میں سود کے حرام کئے جانے کی علت یہ ہے کہ اس سے

وتركهم القرض والقرض صنائع المعروف ولما في ذلك من الفساد والظلم وفناء الاموال۔

نیکی واحسان کرنے کا جذبہ جاتا رہتا ہے مال تلف اور ضائع ہوتا ہے۔ بغیر محنت نفع خوری کی رغبت پیدا ہوتی ہے قرض جس کا شمار نیکیوں میں ہے سود کے لالچ میں لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں اگر کوئی کسی حاجتمند کو قرض حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتا اور اس طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور سود اس لئے بھی حرام کیا ہے کہ اس میں فساد وظلم ہے اور مال کی ناحق بربادی ہے۔

مندرجہ بالا آیات واحادیث کا خلاصہ

ان آیات واحادیث میں جو باتیں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

(ا) محبت ومروت وہمدردی وانسانیت کی مستحکم بنیادوں پر انسانی معاشرت کی تعمیر دین اسلام کا عظیم ترین نصب العین ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد انسان دوسرے کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے۔ حاجتمندوں کی حالت زار پر ان کے انسانی احساسات ابھریں اور وہ ان کی حاجت روائی کی طرف ہاتھ بڑھائیں سود خواری کی ذہنیت اس کے برعکس حاجتمندوں کی مجبوری سے اپنا مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور بالآخر انسانی مروت و ہمدردی واحسان کے جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ سود کی تحریم سے مقصد شریعت اسی قسم کے بدترین جرائم کا سد باب کرنا ہے۔

(ب) عادت سود خواری کے ساتھ محبت مال وطمع زر کی ترقی کرتی ہے۔

اور اس کی ترقی کی نسبت سے اصول اخلاق و ہمدردی انسانی کے احساسات ختم ہوتے جاتے ہیں - اور آخر کار انسان اخلاق فاضلہ اور انسانیت کے اعلیٰ اوصاف سے محروم اور مال و دولت کے خمار میں بدمست ہو جاتا ہے - اور شرف انسانیت کھو دیتا ہے - اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص مجنون و مخبوط ہو جائے - ممکن ہے کہ وہ اپنی اس حالت کو عقلمندی کا ثمرہ تصور کرتا ہو - مگر دراصل وہ پاگل پن ہے - مال و دولت کی محبت میں شرف انسانیت کو بیچ دینا خبط اور جنون نہیں تو اور کیا ہے - چونکہ اکثر نفسانی ملکات پختہ اور ناقابل زوال ہو جایا کرتے ہیں - اس لئے ان کا اثر آخرت کی زندگی میں بھی نمایاں ہو تو محل تعجب نہ ہونا چاہیئے - ممکن ہے کہ قرآنی تمثیل "كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ" اسی بات کی جانب اشارہ ہو - اور اسی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہو جو ان کی بداخلاقی و بدکرداری کے نتیجہ کے طور پر اخروی زندگی میں پیدا ہوگی -

تفسیر زبدۃ البیان میں ہے ص۲۱۴

والحاصل انهم لا یقومون من قبورهم الی المحشر بسبب الربوٰ وثقله علیهم قیاما مثل قیام صحیح العقل بل مثل قیام المجانین فیسقطون تارة ویمشون علی غیر الاستقامة

"حاصل یہ کہ وہ لوگ محشر میں اپنی قبروں سے سود کے وبال اور بوجھ کی بدولت اس طرح نہیں اٹھیں گے جس طرح درست ہوش و عقل والے اٹھتے ہیں - بلکہ پاگلوں کی طرح اٹھیں گے کبھی گر پڑیں گے اور کبھی لڑکھڑاتے چلیں گے اور

اخوانی ولا یقدرون علی القیام آخرہ کبھی اٹھ بھی نہ سکیں گے ۔"

(ج) جو انسان ایک درہم (یا ایک روپیہ) کو دو درہم (یا دو روپیہ) کے عوض خرید تاہے تو ایک درہم (یا ایک روپیہ) تو ایک درہم (یا ایک روپیہ) کی قیمت ہوتا ہے اور دوسرے کی قیمت ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا اور بائع کو ایک درہم (یا ایک روپیہ) مفت ہاتھ آتا ہے۔ اس میں نہ اس کے اصل درہم (روپیہ) کا کوئی دخل ہوتا ہے۔ اور نہ محنت کا کوئی اثر

(د) یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ تجارت وصنعت کو معاشی نظام کے رکن اعظم کی حیثیت حاصل ہے۔ اور انھیں پیشوں کی بدولت عامہ خلائق کی رفاہیت کے سامان اور معاشی خوشحالی کے وسائل مہیا ہو سکتے ہیں اور تمدن کی ترقی انہی سے وابستہ ہے۔ اور ان ذرایع سے معاش حاصل کرنے میں آدمی کو محنت ومشقت کی حاجت ہوتی ہے۔ برعکس اس کے سودی کاروبار میں بلا محنت روپیہ ملتا ہے۔ اب اگر معاشی نظام میں معاملہ سود کے ذریعہ کسب معاش کی اجازت دیدی جائے۔ تو تجارتی کاروبار کی مشقت اور صنعت وحرفت کی محنت وتکلیف برداشت کرنے کی طرف رجحان باقی نہ رہے گا۔ مفت نفع خوری اور آسان طریقہ سے روزی کمانے کی ترغیب ہوگی۔ اور اس طرح دنیا کا معاشی نظام ابتر ہو جائے گا۔ کیونکہ منافع خلق اللہ تجارت وصنعت وحرفت سے وابستہ ہیں۔ دنیوی کاروبار بغیر ان کے چل نہیں سکتے۔

(ہ) خلق ومروت وہمدردی انسانی کے شریفانہ احساسات کا جہاں

یہ تقاضا ہے کہ قرض کے ذریعہ سے حاجتمندوں کی امداد و حاجت روائی کی ترغیب دیجائے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ قرض کی لین دین کو منفعت کاروبار اور ذریعہ کسب معاش بننے نہ دیا جائے کیونکہ اس سے دو بدترین "ظلم و فنا ر اموال" یقینی ہیں۔ (جن کی جانب حدیث مندرج بالا میں توجہ دلائی ہے) سودی کاروبار کے رواج کی صورت میں ایک طرف غریب حاجتمندوں کو قرض لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ آخرکار ظالم ساہوکاروں کی ہوس نفع خوری اور حریصانہ مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف ہوا پرست مسرفین کی عادت فضول خرچی کو سہارا ملتا ہے بے جا عیش و عشرت اور فضول نام و نمود پر اڑانے کے لئے روپیہ بسہولت حاصل ہونے لگتا ہے۔ پیشہ ور سود خوار ساہوکار املاک و جائداد کے مالکوں کو روپیہ حسب طلب بآسانی قرض دیدیتے ہیں۔ اور آخرکار صرف وہی روپیہ فضول مصارف میں ضایع نہیں ہوتا۔ بلکہ امیروں کی ذاتی املاک و جائداد کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لے جاتا ہے۔ بالخصوص مسلمان زمینداروں، جاگیرداروں اور صاحب دولت و ثروت گھرانوں کے سودی قرضوں کی بدولت تباہی و بربادی کے عبرت خیز و حسرتناک مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

اسلامی نظام نے سودی کاروبار کی روک تھام کر کے اس قسم کے مظالم اور فنا ر اموال کے تباہ کن واقعات کا کلیۃً سدباب کر دیا۔ اور قرض کے معاملات کو باہمی ہمدردی اور حسن سلوک، مواسات و احسان کے اعلیٰ اخلاقی احساسات

کی حدود تک محدود کر دیا۔ اور بغیر معاوضہ قرض دینے کو عظیم الشان کارِ خیر و کردار شریفانہ قرار دیکر اس کی جانب ترغیب و تحریص میں بڑا اہتمام فرمایا۔ اور قرضداروں کے ساتھ قرض خواہوں کی طرف سے واقع ہونے والی ہر خلاف مروت و انسانیت بدسلوکی کا انسداد کر دیا۔

قرض سے اعانت کرنے کی ترغیب

(۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ط

"وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے تاکہ خدا اس کے مال کو اُس کے واسطے کئی گنا بڑھا دے اور خدا ہی تنگدست کرتا ہے اور وہی رزق کی کشائش عطا کرتا ہے"۔ (بقرہ)

(۲) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضَاعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ (تغابن)

اگر تم خدا کو قرض حسن دوگے تو وہ اسکو تمہارے واسطے دگنا کر دے گا۔ اور تم کو بخش دے گا"۔

حدیث نبوی میں ہے :-

(۳) من شکی الیہ اخوہ المسلم فلم یقرضہ حرم اللّٰہ عزّ و جلّ علیہ الجنۃ یوم یجزی المحسنین۔ (وسائل)

"جس کے پاس اس کا برادر مسلم اپنی تنگدستی کی شکایت لایا اور اس نے اُسے قرض نہ دیا تو خدا اُس کو جنت سے اس دن محروم رکھے گا جس میں نیکو کاروں کو جزا دے گا"۔

تنگدست و نادار قرضدار کو مہلت دینا چاہیئے اور قرض کو معاف کر دینا بہتر ہے

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ

"اگر (تمہارا قرضدار) تنگدست ہو تو اس کو

إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون (بقرہ)

خوشحالی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ (اصل بھی) بخش دو۔

قانون شرع اسلام میں تنگدستی و ناداری کے حدود۔ قرض میں سامان

خوراک، لباس، مسکن، خادم صرف نہ کیا جائے

کنز العرفان میں ہے:-

والمراد بالمعسر عندنا من يعجز عن اداء ما عليه من الدين ولا يجب عليه قوت يومه ودست ثوبه وداره سكناه وخادمه المعتاد فان ذلك لا يجب صرفه في الدين فاذا تحقق العجز عما عدا ذلك وجب الانظار وحرم المطالبة والحبس ومع القدرة تحل المطالبة ويجوز الحبس قال في الواجد يحل عقوبته والمطل المطل والعقوبة الحبس ہ

"معسر" سے مراد ہمارے نزدیک وہ آدمی ہے جو اپنا قرض ادا کرنے سے عاجز ہو روز کی خوراک، کپڑے، مکان، اور خادم جس کی عادۃً احتیاج ہوتی ہے یہ چیزیں محسوب نہ ہوں گی (وہ اُن کے موجود ہوتے ہوئے "معسر" یعنی نادار و تنگدست قرار دیا جائے گا۔ ان چیزوں کا قرض میں صرف کرنا واجب نہیں جبکہ ان چیزوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہونے سے اُس کا عجز ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہوگا۔ اور مطالبہ قرض اور اسے قید کرنا حرام ہوگا۔ اور جبکہ وہ ادائے قرض پر قدرت رکھتا ہو تو مطالبہ حلال اور قید کرنا جائز ہوگا۔ جناب

رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہے کہ ادائے قرض کی قدرت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کی سزا کرنا قید کرنا حلال ہوگا۔"

قرض دینا تصدق کرنے سے بہتر ہے

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال النبی صلعم الف درہم اقرضہا مرتین احب الی من ان اتصدق بہا مرۃ وکما لایحل لغریمک ان یمطلک وھو معسر فکذلک لایحل لک ان تعسرہ اذا علمت انہ معسر۔ (وسائل)

"حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ میں ایک ہزار درہم کو اگر دو دفعہ کر کے قرض دوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ یکبارگی تصدق کر دوں اور جس طرح تمہارے قرضدار کے لئے جائز نہیں ہے کہ خوشحال ہوتے ہوئے ادائے قرض میں ٹال مٹول کرے اسی طرح تمہارے لئے بھی حلال نہیں کہ اس کی تنگدستی کا حال معلوم ہوتے ہوئے اس پر سختی کرو۔"

حاجتمندوں کے لئے قرض لینا جائز ہے اور بے ضرورت قرض لینا مکروہ ہے

بعض صورتوں میں حرام بھی ہے

جہاں حاجت مندوں کے لئے قرض کی لین دین کو حسن سلوک و کرم اخلاق کا بلند ترین مرتبہ قرار دیا ہے وہاں بے ضرورت قرض لینے کی ممانعت بھی کی ہے اور بعض حالات میں قرض لینا حرام بھی قرار دیا ہے۔

کنز العرفان میں ہے:۔

اباحة الاستدانة لانها مما قد
يضطر الانسان اليه في معاشه
فتكون سايغة ولان النبي ص استدان
وكذا علي عليه السلام وجماعة
من الائمة عليهم السلام نعم هو من
غير ضرورة مكروه لقوله
صلى الله عليه وآله وسلم

اياكم والدين فانه مذلة بالنهار
ومهمة بالليل وقد يحرم اذا
لم يكن له ما يقضيه به فانه
خديعة ويقوى عندي اذا لم
يكن البائن مطلقا علي حاله
والا فلكن اهنة شديدة وقبول
الصدقة له اولى من الاستدانة۔

وہ قرض لینا اس لئے مباح ہے کہ انسان اپنے
معاش کے بارے میں کبھی اس کا محتاج ہوتا ہے
لہذا اس کو جائز ہونا چاہیئے۔ اور اس لئے
کہ خود جناب رسول ص نے قرض لیا اور اسی طرح
حضرت علی ع اور ائمہ علیہم السلام نے بھی قرض
لیتے تھے۔ البتہ بے ضرورت قرض لینا مکروہ
ہے کیونکہ جناب رسالتماب ص نے فرمایا ہے کہ

تم قرض سے بچو کیونکہ وہ دن میں باعث
ذلت اور رات کو باعث فکر مندی ہوا کرتا ہے
اور جب ادا کرنے کا ذریعہ اپنے پاس
نہ ہو تو ایسی صورت میں قرض لینا حرام ہے
اس لئے کہ وہ فریب ہے۔ اور میرے
(یعنی صاحب کتاب فاضل مقداد رہ کے)
نزدیک قول قوی یہ ہے کہ ایسے نادار
ومفلس کا قرض لینا حرام اس وقت ہوگا جبکہ قرض دینے والا اس کی ناداری
سے ناواقف ہو۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔ اور کراہت
شدید ہوگی ایسے آدمی کے لئے صدقہ قبول کرنا قرض لینے سے بہتر ہے۔

قرض کی مذمت، کفر و قرض بے ضرورت دونوں برابر ہیں:۔

حدیث نبوی ص میں ہے

آنحضرت ص نے فرمایا:۔

اعوذ باللہ من الکفر والدین قیل یارسول اللہ العدل الدین بالکفر قال نعم۔ "میں کفر اور قرض سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس پر کسی نے کہا یا رسول اللہ! آپ قرض کو کفر کے برابر ٹھہراتے ہیں؟ تو فرمایا۔ ہاں ایسا ہی ہے۔"

راہ خدا میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ ہے سوا قرض کے

عن ابی جعفر علیہ السلام قال کل ذنب یکفرہ القتل فی سبیل اللہ الا الدین لا کفارۃ الا ادائہ او یقضی صاحبہ او یعفو الذی لہ الحق۔ وسائل

"حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں شہید ہونا ہر گناہ سے پاک کر دیتا ہے سوا قرض کے کہ اس کا کفارہ صرف اس کا ادا کرنا ہی ہے یا تو شہید ہونے والے کی طرف سے اس کا کوئی ساتھی (یا وارث) ادا کرے یا جس کا حق ہے وہ معاف کر دے۔"

ادا نہ کرنے کی نیت سے قرض لینے والا چور ہے:۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

من استدان دیناً فلم ینو قضائہ کان بمنزلۃ السارق۔ "جس نے قرض لیا مگر ادا کرنے کا ارادہ نہ تھا تو وہ شخص گویا چور ہے۔"

غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے:۔

حدیث نبوی ہے:۔

"مطل الغنی ظلم" "ادائے قرض میں غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔"

ناداروں کے جائز قرضے کا ادا کرنا حکومت اسلام کے ذمہ ہے اس کیلئے خاص انتظام

"جن قرض داروں کے لئے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ان کی گلو خلاصی و سبکدوشی کے

کے لیے مدات جن میں مخصوص حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:—

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ط

(سورہ توبہ)

"مال صدقات تو بس فقیروں اور ناداروں کا حق ہے۔ اور ان لوگوں کا جو (زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے) کارندے ہیں اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب کی گئی ہے اور غلاموں کی (غلام سے چھڑانے سے) گلوخلاصی میں اور قرضداروں کا جو خود ادا نہیں کر سکتے یہ حقوق) خدا کی طرف سے فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ اور خدا بڑا صاحب علم اور حکمت والا ہے۔"

ارشاد الٰہی میں "غارمین" سے کون لوگ مراد ہیں؟

کنز العرفان میں ہے:—

الغارمون وهم الذين ركبتهم الديون في غير معصية بل اما في نفقة واجبة او مندوبة او معاش مباح۔

"غارمین" سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بار قرض ہو گیا ہو مگر خدا کی معصیت میں نہیں بلکہ نفقہ واجبہ یعنی ان لوگوں کی ضرورتوں میں جن کا نفقہ اُن پر واجب ہے یا نفقہ مستحب یعنی اُن لوگوں کے متعلق جن کی مالی امداد مستحب ہے یا معاش مباح میں یعنی وہ اسباب معیشت میں جو شرعاً مباح قرار دیئے گئے ہیں۔"

اس سے پہلے اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ مفلس قرضداروں کے جائز قرضوں کا ادا کرنا خدا کی طرف سے رسول و امام کی ذمہ داریوں میں داخل کیا گیا ہے۔"

نادار کا قرض ادا کرنا فریضۂ امام ہے:-

المفهوم من جملة من الاخبار انه متی لم یتمکن المدیون من اداء الدین وجب علی الامام ان یؤدی عنه من سهم الغارمین اذا کان قد انفق ما استدانه فی طاعة او فی مباح فلو انفقه فی معصیة لم یکن له ذلک۔

حدائق ناضرۃ میں ہے:-

"حدیث سے یہ بات سمجھی گئی ہے کہ جب قرض دار اپنا قرض ادا نہ کر سکے گا تو امام پر واجب ہوگا کہ "سہم غارمین" (وہ حصہ جو بنا بر حکم قرآنی قرضداروں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے) سے ادا کرے۔ بشرطیکہ قرضدار نے روپیہ طاعت یا مباح کاموں میں خرچ کیا ہے۔ پس اگر خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا ہوگا تو اس کا ادا کرنا امام پر واجب نہ ہوگا۔"

نظام اسلامی کی طرف مشترک کاروبار کی رہنمائی:-

قرآن و حدیث سے منقولہ بالا شواہد سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ تمدن کی ترقی اور منفعت و رفاہیت و خوشحالی کو عام بنانے کے لئے زراعت، تجارت، صنعت و حرفت کو فروغ دینا اسلامی نظام کا عظیم الشان نصب العین ہے۔ اب عرض یہ بتانا رہ گیا ہے کہ نظام اسلامی صرف انفرادی کاروبار ہی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے بلکہ اجتماعی کاروبار کی راہیں بھی کھولتا ہے۔ اس کے ماتحت زمانہ حاضرہ کے بینکوں اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں سے ایسے سودی کاروبار کے ادارے تو قائم نہیں ہو سکتے البتہ گروہ تعاون "علی البر والتقوی" کے قرآنی اصول پر مشترک کاروبار کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور امداد باہمی کے سچے جذبے کے پیش نظر اسے اپناتی ہے

ادارات و مجالس (سوسائیٹوں) کے قیام کی راہیں کھلی رکھیں جو سرمایہ دار اور غریب عامل دونوں کے واسطے یکساں مفید ہو سکتے ہیں۔ فقہ اسلامی کے ابواب عقود و معاملات میں اس طرح کے صحیح مسائل معاش کی تفصیلات مذکور ہیں - اس مختصر مضمون میں اونکی گنجائش نہیں نکل سکتی - لہٰذا بعض کی طرف اشارہ کر دینے پر قناعت کر لینا مناسب ہے

شرکت عنان یا شرکت اموال :-

انما تصح بالاموال ويتساوى الشريكان في الربح والخسران مع تساويه ولو كان لاحدهما زيادة كان له من الربح بقدر راس ماله ولذا عليه من الخسارة ولو شرط لاحدهما زيادة في الربح مع تساوي المالين او التساوي في الربح والخسران مع تفاوت المالين فقيل تبطل الشركة اعني الشرط والتصرف الموقوف عليه وقيل تصح الشركة والشرط والاول اظهر -

وہ ہمارے نزدیک صرف شرکت اموال صحیح ہے اور جبکہ دونوں شریک مال برابر کی شرکت شرکت رکھتے ہوں تو نفع و نقصان میں بھی مساوی ہوں گے - اور اگر کسی ایک کا مال زیادہ ہوگا تو نفع میں اس کا حصہ بقدر اس کے اور ان اعمال کے ہوگا اور اس پر خسارہ بھی اسی نسبت سے محسوب ہوگا اور اگر معاملہ شرکت میں باوجود دونوں کے مالوں کی برابری کے ایک شرکت کے واسطے نفع کی زیادتی یا باوجود مالوں میں تفاوت ہونیکے نفع و نقصان میں برابری کی شرکت کی جائے تو (اس صورت میں صحت معاملہ شرکت میں اختلاف ہے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرکت باطل ہو جائے گی۔

یعنی شرط اور تصرف جو

اس پر موقوف ہے دونوں باطل ہوں گے۔ اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ شرکت صحیح ہو گی اور اول (یعنی بطلان شرکت) اظہر ہے"

حدیث میں ہے:۔

ان کان ربحا فھو بینھما وان کان نقصانا فعلیھما ط

"اگر نفع ہو گا تو دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا اور اگر نقصان ہو گا تو اس میں بھی دونوں شریک رہیں گے"

مضاربۃ

حدائق ناضرہ میں ہے:۔

"ھی عقل شرعی لتجارۃ الانسان بمال غیرہ بحصۃ من الربح ط

"مضاربہ" ایک شرعی معاملہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کے مال سے نفع کے ایک حصّہ کے عوض تجارت کرتا ہے"

جواہر الکلام میں ہے:۔

المضاربۃ دفع الانسان الی غیرہ مالا لیعمل فیہ بحصۃ من ربحہ ط

"مضاربہ" یہ ہے کہ انسان کچھ مال بغرض تجارت کسی کو دے اور مقابل عمل نفع میں کوئی حصّہ اسکا مقرر کرے"

ان تعریفوں سے ظاہر ہوا کہ "مضاربۃ" اربابِ دولت و مال اور غریب و نادار افراد کے تعاون، سرمایہ و محنت کے اشتراک عمل و مقصد اور اس ذریعہ سے امداد باہمی کے اعلیٰ نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہے اور یہ ایک ایسا تجارتی معاملہ ہے۔ جس میں ایک طرف سرمایہ اور مال و متاع ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل اور محنت ہوتی ہے۔ اور منافع میں حسب قرارداد و تراضی طرفین

اشتراک عمل ہوتا ہے ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایسے انسان کو فائدہ پہنچاتا ہے جو دیانت کے ساتھ تجارتی کاروبار کا سلیقہ ہونے کے باوجود نادار اور بے سرمایہ ہے اور وہ اپنی محنت اور سلیقۂ عمل سے مالک سرمایہ کی منفعت کا باعث ہوتا ہے

اجارۂ محنت و مزدوری:-

حدیث منقولہ بالا میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

واما وجه الاجارة فقوله عز وجل نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجٰت الآية (حرفت)

وسائل معاش میں طریقۂ اجارہ کا تذکرہ اس ارشاد خداوندی میں ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ الخ

یہ آیۂ مبارکہ اس سے پہلے زیر بحث آچکی ہے یہاں اس کے معنی مراد پر مزید روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے۔ صرف اسی قدر گزارش کافی ہے کہ اس ارشاد ربانی میں ان وسائل معاش کی طرف نہایت جامع و پُر معنی الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے جن کا تعلق محنت مزدوری۔ محنت و اجرت سے ہے۔ فقہ اسلام کے ابواب میں "باب اجارہ" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں جو تفصیلات مذکور ہیں ان کا یہاں ترک کر دینا ناگزیر ہے اس مقام پر صرف چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہو جائیگا کہ انسان کی محنت و عمل کی اسلام کی نظر میں کتنی عظیم قدر و منزلت ہے اور وہ مزدور اور محنت کش انسانوں کا کتنا ہمدرد و پشت پناہ ہے۔

کام لینے سے پہلے اجرت طے کر لیا کرو:-

نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

ان یستعمل اجیراً حتی یعلم ما اجرتہ۔ "جناب رسول خدا صلعم کا حکم ہے اجرت معلوم کر لینے سے پہلے کسی اجیر (مزدور) سے کام نہ لیا جائے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یستعملن اجیراً حتی یعلم ما اجرۃ۔ (وسائل) "جو آدمی خدا اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اُسے ہرگز کسی اجیر سے کام نہ لینا چاہیے جبتک یہ نہ معلوم کر لے کہ اُسکی اُجرت کیا ہوگی۔"

مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ادا کر دو۔

حدیث نبوی ہے:۔

اعط الاجیر حقہ قبل ان یجف عرقہ "مزدور کا حق اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔"

مزدور کے حق اُجرت میں ظلم کرنیوالا ملعون ہے۔ خدا اس کو نہ بخشے گا

نیز آنحضرت کا ارشاد ہے:

(۱) ملعون من ظلم اجیراً اجرۃ "جس نے مزدور کی اجرت کے بارے میں ظلم کیا وہ ملعون ہے۔"

(۲) ان اللہ غافر کل ذنب الا من جحد مہراً او اغتصب اجیراً اجرۃ "خدا ہر گناہ کا بخشنے والا ہے مگر دو شخصوں کو معاف نہ کرے گا۔ (۱) جس نے عورت کے مہر کا انکار کیا۔ (۲) اور جس نے مزدور کی اجرت مار لی۔"

جناب رسول خدا صلعم مزدوروں کی حمایت میں:۔

ان النبیؐ قال ثلاثة انا خصیمهم "جناب رسولؐ نے فرمایا کہ بروز قیامت
یوم القیامة.......رجل استاجر میں تین قسم کے لوگوں کا فریق مقابل ہوں گا
اجیراً فاستوفی منه ولم یوف اجرا ط .... (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں)
جو مزدور سے کام لے کر اجرت پوری نہیں دیتے"!

چرخا و کھدّر

خاتمۂ مضمون میں اس بات کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ
زمانۂ حاضرہ میں چرخے اور کھدّر کو رواج دینے میں عظیم الشان جدوجہد کیجا چکی ہے
اس کی افادی حیثیت کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر اس کو زمانہ حاضرہ کے کسی محترم و
دوراندیش لیڈر کی جدت طرازی نہ سمجھنا چاہیئے۔ وہ کوئی نئی تحریک نہ تھی بلکہ
تیرہ صدیوں سے اسلام کے نظام اقتصادی میں اس کو نمایاں جگہ حاصل رہی ہے اور
اس کی اہمیت کے لئے صرف مندرجہ ذیل احادیث و اخبار کافی ہیں۔

سوت کاتنے کی ہدایت عورت کے لئے۔ یہ گھریلو کام سب سے بہتر ہے

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه "جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے
وآله نعم شغل المرأة المومنة فرمایا کہ مومنہ عورت کا بہترین مشغلہ
المغزل۔ چرخا ہے"!

(۲) نیز حدیث نبوی ہے کہ۔
علموهن الغزل۔ "عورتوں کو سوت کاتنا سکھاؤ"

(۳) جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے چرخہ کی عظمت و اہمیت

جناب سید رضی الدین علی بن طاؤس رحمہ نے کتاب الملہوف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:۔

قال یزید لعنہ لعلی بن الحسین علیہما السلام اذکر حاجاتک الثلاث اللاتی وعدتک بقضائھن (الی ان قال) قال والثانیۃ ان ترد علینا ما اخذ منا (الی ما قال) وانما طلبت ما اخذ منا لان فیہ مغزل فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ۔

(مستدرک الوسائل)

"یزید لعنہ نے حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام سے کہا کہ وہ تین حاجتیں مانگو جن کے پورا کرنے کا میں نے وعدہ کیا ہے۔ امامؑ نے منجملہ ان کے یہ بھی فرمایا کہ میری جو چیزیں چھینی ہیں ان کو واپس کر دے اور میں اُن چیزوں کو اس وجہ سے مانگتا ہوں کہ اس میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا چرخا بھی ہے۔"

خاتمۂ کلام

اس مضمون میں اسلام کے نظام معیشت و اقتصاد کا جو مختصر و مجمل خاکہ پیش کیا ہے اُس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نہ نظام سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکیت و اشتمالیت، بلکہ بنیادی طور پر اُن سب سے جدا ایک معتدل نظام ہے۔ جس کے وسیع دامن میں اُن کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ اور تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں اس سے خارج ہیں۔ فطرت کے دباؤ نے منحرف دنیا کا رخ اعتدال و مسلک اقتصاد کی جانب موڑ دیا ہے۔ ذہنیت سرمایہ داری

اب محنت کش غریبوں کے مفاد سے دلچسپی اور احساس ہمدردی کی نمائش کرنے لگی ہے
اور طبیعت اشتراک حق ملکیت اور تفاوت درجات معیشت کے خلاف جنگ میں
اعتدال پسندی کی طرف مائل ہے۔ یہ تدریجی انقلاب ذہنیت و استحالہ طبیعت
اس حقیقت کو ناقابل اشتباہ بنا رہا ہے کہ نظام اسلامی ہی مکمل، معتدل، قابل عمل
اور موافق فطرت انسانی نظام ہے جس سے نوع بشر کی معاشی خیر و فلاح وابستہ
ہے اور وہ دن توقعات کے حدود سے باہر نہ ہونا چاہیے جس میں ساری نوع
دنیا اسی منہج اعتدال پر واقعتاً دیر گامزن نظر آئے۔ اور ارشاد ربانی:۔
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۔ کا مضمون واقعہ اور حقیقت بن کر نگاہوں کے سامنے
آجائے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؕ

تمام شد